ذوالقعدۃ
ذوالحجۃ
۱۴۴۵ھ
جون
2024ء

جامعہ دار التقویٰ
لاہور کا ترجمان

ماہنامہ دار التقویٰ لاہور

قربانی کی مشروعیت، حکمتیں اور مصلحتیں

حج کی فرضیت

میاں بیوی کے اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

عشرہ ذوالحج کے فضائل و برکات

مملکت خداداد میں سدومیت کی راہیں ہموار کرنے کی تدبیریں

حج سے متعلق عورتوں کے مسائل

جامعہ دار التقویٰ

کے زیر اہتمام

علماء کی نگرانی میں فریضہ کی ادائیگی

عطیہ قربانی

فی حصہ گائے

24000

وقف بکرا

45000

حصہ جمع کروانے کی آخری تاریخ
آٹھ ذوالحج عصر تک ہے

برائے رابطہ

0326-4331535

مرکزی دفتر: نیو چوبرجی پارک، لاہور

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ دارالتقویٰ لاہور

بدعاء حضرتِ اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد 13 — ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ۔ جون 2024 — شمارہ 11

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مدیر حضرت مولانا اویس احمد صاحب مدظلہ

مدیر مسئول مولانا عبدالودود ربانی صاحب

مجلس مشاورت
- حضرت مولانا عثمان صاحب
- حضرت مولانا عامر رشید صاحب
- حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

مجلس ادارت
- مفتی محمد اسامہ صاحب
- مولانا ذوالکفل صاحب

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقوی جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فون نمبر: 0304-4167581 04235967905

سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

مقام اشاعت

جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر

1591001820660001

ٹائٹل اکاؤنٹ دارالتقوی ٹرسٹ

ایم آئی بی (مسلم کمرشل بینک)

Email Address

Monthlydarultaqwa@gmail.com

اس دائرے میں سرخ نشان مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ بدل خرچ: 720 روپے

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ دارالتقوی لاہور

فہرست

جون 2024

حرف اولیں

جامعہ دارالتقوی کی تقریب — مولانا عبدالودود ربانی — 5

درسِ قرآن

حج کی فرضیت — مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ — 7

درسِ حدیث

حج سے متعلق عورتوں کے مسائل — ڈاکٹر عبدالواحد صاحب — 12

مقالات و مضامین

عشرہ ذوالحج کے فضائل و برکات — مولانا محمد الیاس گھمن — 16

قربانی کی مشروعیت، حکمتیں اور مصلحتیں — مولانا محمد تبریز عالم قاسمی — 21

مملکت خداد میں سدومیت کی راہیں ہموار کرنے کی تدبیریں — مولانا محمد طفیل کوہاٹی — 28

میاں بیوی کے اختلافات کے اسباب اور ان کا حل — مفتی محمد راشد ڈسکوی — 38

گھرداری سیکھنا کیوں ضروری ہے — مفتی منیر احمد — 45

حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ — محمد مومن فہیم — 50

بٹ کوئین بطور پاکستان کی نئی کرنسی — ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی — 54

آپ کے مسائل اور ان کا حل — از بہشتی زیور — 62

حرف اولیں

جامعہ دارالتقوی کی تقریب تقسیم انعامات

مورخہ 5 مئی بروز اتوار جامعہ دارالتقوی کی مرکزی جامع مسجد الہلال میں تقسیم انعامات کی ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی جس کا مقصد ادارہ ہذا کے سالانہ امتحانات اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات میں ملکی وصوبائی سطح پر امتیازی درجات حاصل کرنے والے بنین و بنات کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ان میں انعامات تقسیم کرنا تھا، اس پروقار تقریب کے مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا طاہر مسعود صاحب مہتمم جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا تھے۔ تقریب کی نقابت کے فرائض حسبِ روایت جامعہ کے سینئر استاذ حضرت مولانا مفتی محمد اسامہ صاحب کے سپرد تھے(جو اپنی پُروقار شخصیت، خوبصورت انداز، شستہ و سلیس زبان اور ادبی ولسانی موشگافیوں سے وافر شناسائی رکھنے کی بدولت اس منصب کے یکتا اہل ہیں) جنہوں نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا۔

ٹھیک 10 بجے تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا ،تلاوت کلام مجید کے بعد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ نعت پیش کیا گیا، شعبہ حفظ کے طلباء نے ایک خوبصورت ترانہ پیش کیا جسے سامعین نے خوب پسند کیا، اسٹیج سیکرٹری نے مہمانان گرامی اور حاضرین کے سامنے جامعہ ہذا کی کارگزاری اور تعارف پیش کیا، انہوں نے کہا کہ " جامعہ دارالتقویٰ صفہ کی درسگاہ سے بلند ہونے والی صدائے قال اللہ وقال الرسول کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو نصف صدی سے تشنگان علوم نبویہ کی علمی پیاس

بجھانے میں مصروف ہے۔ 1967ء سے قائم اس عظیم درسگاہ کی بنیاد حاجی گلزار محمد صاحبؒ کے ہاتھوں جس اخلاص اور للٰہیت سے رکھی گئی اس کی برکت سے اس پودے نے مختصر وقت میں بہت ترقی کی اور تشنگان علوم نبویہ اس چشمہء علم وعرفان کی طرف ایسے کھنچے چلے آئے کہ آج الحمدللہ جامعہ کی 18 شاخوں میں 4000 سے زائد طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ دارالتقویٰ صرف ایک دینی ادارہ نہیں بلکہ یہ کلمہ حق کی سربلندی کے لئے ایک علمی اور دعوتی تحریک ہے۔ یہ ادارہ مسلکی تعصّبات سے پاک قرآن وحدیث کے علوم اور ائمہ فقہا کے اُفکار کے ذریعے علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جامعہ کے قیام کا مقصد قرآن وحدیث کے علوم کی اشاعت، ائمہ فقہا کے فقہ واصول فقہ کا تعارف، مسلمان نوجوانوں کو اسلامی تہذیب سے آراستہ کرنا، زندگی کے تمام شعبوں میں ماہر علماء اور مفکرین تیار کرنا ہے جو علیٰ وجہ البصیرت دعوت وتحقیق وتبلیغ کا کام کرسکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ جامعہ اول روز سے ہی تبلیغی وتربیتی بنیادوں پر قائم ہے اور ادارے میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اصلاحی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے باقاعدہ تبلیغی اعمال کی ترتیب اور وقتاً فوقتاً اکابر علماء کرام کے اصلاحی بیانات جامعہ کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ ادارے کے مفصل تعارف کے بعد مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا طاہر مسعود صاحب نے علم دین کی ضرورت واہمیت کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا جس کا اگر ایک جملے میں خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ "طلباء وطالبات علم میں رسوخ حاصل کریں اور جتنا علم حاصل کرتے چلے جائیں اس پر اسی دن سے عمل کرنا شروع کردیں۔" بعد ازاں حضرت مولانا مفتی اسامہ مدظلہم نے اراکین شوریٰ، جامعہ کے اساتذہ اور ذمہ داران ومعاونین کی طرف سے معزز مہمانوں اور تمام حاضرین کا تقریب میں شرکت پر شکریہ ادا کیا۔ آخر میں وفاق کے سالانہ امتحان میں ملکی وصوبائی سطح پر پوزیشنیں لینے والے بنین وبنات میں کتب، اسناد، سرٹیفکیٹس اور نقد انعامات تقسیم کئے گئے۔ مولانا عامر رشید صاحب (رکن شوریٰ) کی دعا کے ساتھ اس تقریب کا اختتام ہوا۔

والسلام

عبدالودود ربانی

مدیر مسؤل

درسِ قرآن

از: مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

حج کی فرضیت

۞...سورۃ آل عمران...۞...آیت نمبر 97 ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

فِيهِ ءَايَٰتُۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلۡبَيۡتِ مَنِ ٱسۡتَطَاعَ إِلَيۡهِ سَبِيلًاۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ ٱلۡعَٰلَمِينَ

ترجمہ:

”اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی اور جو شخص منکر ہو سو اللہ بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔“

تفسیر:

آیات بینات اور مقام ابراہیم:

پھر فرمایا (فِيهِ ءَايَٰتُۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبۡرَٰهِيمَ) (اس میں آیات بینات ہیں اور مقام ابراہیم ہے) جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے بعض آیات تکوینی ہیں اور بعض آیات تشریعی ہیں۔ کعبہ شریف کا مبارک ہونا اور (هُدًى لِّلۡعَٰلَمِينَ) ہونا اور جو شخص وہاں داخل ہو جائے اس کا مامون ہونا اور بشرط استطاعت حج کا فرض ہونا

یہ تشریعی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم کا وہاں موجود ہونا (یہ وہ پتھر ہے جو زینہ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تعمیر کرتے تھے) یہ تکوینی نشانی ہے جو اب تک موجود ہے۔ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ نیز کعبہ شریف کی تکوینی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کسی نے بھی کعبہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا وہ خود تہس نہس ہوگیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ابرہہ یمن کا حاکم ہاتھی لے کر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور ہاتھی اور ہاتھی والے سب چورا ہو کر رہ گئے جس کا ذکر سورۃ فیل میں ہے۔

اس ساری تفصیل سے کعبہ شریف کی اولیت اور افضلیت دونوں چیزیں معلوم ہوئیں کیونکہ بیت المقدس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ بابرکت ہونے میں کعبہ شریف سے زیادہ ہے نہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے نہ ہی وہاں کے داخل ہونے والے کو مامون بتایا نہ وہاں حج کے لیے جانے کا حکم ہے۔ نہ وہاں مقام ابراہیم ہے۔

حرم مکہ کا جائے امن ہونا:

پھر فرمایا (وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا) (کہ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن سے ہوگا) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب کعبہ شریف بنایا اس وقت دعا کی تھی (رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِناً) (کہ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا دے) ان کی دعا مقبول ہوئی اور مکہ اور حرم مکہ امن والا بنا دیا گیا۔ اہل عرب آپس میں بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو مارتے اور لوٹتے تھے۔ لیکن حدود حرم میں کسی پر حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَماً اٰمِناً وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ) (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور حرم والوں کی چاروں طرف لوگ اچک لیے جاتے ہیں) صحیح بخاری صفحہ ۲٤۷ : ج ۱۔ میں ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے اس شہر کو حرام قرار دے دیا جس دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے جنگ حلال نہیں تھی اور میرے لیے بھی حلال نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی پڑی ہوئی چیز کو اٹھایا جائے الا یہ کہ کوئی شخص اعلان کرنے کے لیے اٹھائے (کہ کسی کی کوئی چیز گری ہو تو وصول کر لے) اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔

وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اذخر کا استثناء ہونا چاہیے (جو ایک خاص قسم کی گھاس تھی) کیونکہ وہ اہل مکہ کے سناروں کے لیے اور ان کے گھروں (کی چھتوں) کے کام آتی ہے۔ آپ نے فرمایا الا ذخرا یعنی اذخر کے کاٹنے کی اجازت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے لوگوں نے اسے حرام قرار نہیں دیا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے اور اس کے درخت کاٹے۔ سو اگر کوئی شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتال کے پیش نظر اپنے لیے رخصت نکالے تو اس سے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ میں اجازت دی ہے اور اس کی حرمت اسی طرح آج واپس آگئی جیسے کل اس کی حرمت تھی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۲: ج۱)

معلوم ہوا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے جو اس کے پر امن ہونے کی دعا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کا پر امن ہونا پہلے سے چلا آرہا ہے اب بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے گا۔ اور جو شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کر دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا ہاں اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکل جائے نہ کوئی شخص اس کے ہاتھ کچھ فروخت کرے نہ اسے کھانے پینے کو دے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکل جائے اور وہاں قصاص لیا جائے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر صورت میں حرم میں قصاص لیا جائے گا۔ (کما ذکرہ الجصاص فی احکام القرآن صفحہ ۲۱: ج ۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حال میں حرم میں قصاص لینا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بعض صورتوں میں قصاص لینا اور وہ کان آمنا کے خلاف نہیں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ لے لے بیت اللہ اسے پناہ دیدے گا۔ لیکن اگر وہ قتل کر کے آیا ہو تو اس کو نہ ٹھکانہ دیا جائے اور نہ کھلایا پلایا جائے جب باہر نکلے تو اس کی جنایت کا بدلہ لے لیا جائے (ابن کثیر صفحہ ۳۸۴: ج۱) حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے۔

حج کی فرضیت:

پھر فرمایا:(وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا) (اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو وہاں تک راہ طے کر کے پہنچنے کی)

اس آیت میں حضرت حفص کی روایت اور حضرت حمزہ اور کسائی کی قرأت حِجُّ الْبَيْتِ حا کے زیر کے ساتھ ہے اور باقی حضرات نے حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت فصیح ہیں۔ (ذکرہ البغوی معالم التنزیل)

استطاعت کیا ہے؟

آیت بالا میں ان لوگوں پر حج کرنا فرض بتایا ہے جن کو مکہ معظّمہ تک پہنچنے کی طاقت ہو آیت میں جو (مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا) وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مَا السَّبِيْلُ (کہ سبیل سے کیا مراد ہے) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا زادوراحلۃ (کہ سفر خرچ اور سواری) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا چیز حج کو فرض کرتی ہے آپ نے فرمایا زَادٌ وَّ رَاحِلَةٌ (کہ سفر خرچ اور سواری ہونے سے حج فرض ہو جاتا ہے) دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ میں مذکور ہیں۔

ترک حج پر وعیدیں:

درمنثور صفحہ ۵۶: ج ۲ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کرلیا ہے شہروں میں لوگوں کو بھیجوں وہ ان کو دیکھیں جو مالدار ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا میں ان لوگوں پر جزیہ مقرر کردوں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے پر قتال ہوگا۔

آیت مبارکہ سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکہ معظّمہ تک آنے جانے کا اور سفر خرچ کا انتظام ہو، اتنا پیسہ بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر حج نہیں کرتے ایسے لوگ وعید پر غور کریں۔

لوگوں نے حج کے بہت سے خرچے اپنے ذمہ لگا لیے ہیں سامان خرید کرلاتے ہیں عزیزوں کو قیمتی ہدایا

دیتے ہیں ان سب کو انہوں نے حج کے خرچ میں شمار کر رکھا ہے بہت سے لوگ مرجاتے ہیں اور اس لیے حج نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس رواجی خرچ نہیں ہوتا۔ یا خرچ ہوتا تو ہے لیکن لڑکیوں کی رواجی شادیاں اور دوسرے دنیاوی انتظامات کی وجہ سے حج کرنے میں تاخیر کرتے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے وقت حج کرتے ہیں جبکہ بوڑھے کھوسٹ ہوجاتے ہیں۔ احکام حج ادا کرنے سے بوجہ ضعف اور کمزوری قاصر رہتے ہیں اور بعض لوگ گھر بار کے انتظامات کے انتظار میں مرجاتے ہیں اور حج سے رہ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے کسی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مرگیا اور حج نہ کیا تو اسے چاہیے کہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ عن الدارمی)

بڑے بڑے سیٹھ حج نہیں کرتے اور یوں ہی مرجاتے ہیں لاکھوں روپے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں پر ریاکاریوں کے لیے خرچ کرتے ہیں لیکن حج کے لیے رقم خرچ کرنے سے ان کا دل دکھتا ہے۔ اور بعض لوگ تو حج کا مذاق ہی اڑاتے ہیں اور حج کی فرضیت کے منکر ہیں یہ لوگ تو کافر ہی ہیں اور بعض لوگ حج کی فرضیت کے منکر تو نہیں لیکن استطاعت ہوتے ہوئے حج کو جاتے بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کافر تو نہ کہا جائے گا لیکن کفران عملی میں ضرور مبتلا ہیں جو کوئی آدمی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرے اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ گنہگار ہوگا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: (وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ) (اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) فرضیت کا منکر اور جو عملاً منکر ہو آیت کا عموم دونوں کو شامل ہے حج کے مسائل اور احکام بہت ہیں معتبر کتابوں میں دیکھ لیا جائے کچھ مسائل آیت (وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔

***

درسِ حدیث
مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحبؒ

حج سے متعلق عورتوں کے مسائل

عورت کیلئے محرم یا شوہر کے بغیر حج کا سفر جائز نہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَۃُ إِلَّا مَعَ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ ... فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنِّیْ أُرِیْدُ أَنْ أَخْرُجَ فِیْ جَیْشِ کَذَا وَ کَذَا وَامْرَأَتِیْ تُرِیْدُ الْحَجَّ فَقَالَ أُخْرُجْ مَعَهَا (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس ص کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت (اپنے) ذی رحم محرم (یا شوہر) کے بغیر سفر نہ کرے...... ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول میں (جہاد کیلئے) فلاں فلاں لشکر میں نکلنا چاہتا ہوں جبکہ میری بیوی (اپنے فرض) حج کے لئے جانا چاہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (وہ محرم یا شوہر کے بغیر سفر نہ کرے اور) تم (جہاد پر جانے کے بجائے) اس کے ساتھ جاؤ۔

عَنْ إِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ أَذِنَ عُمَرُ لِأَزْوَاجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیْ آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ (بخاری)۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بیٹے ابراہیم کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے جو آخری حج کیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو بھی حج پر چلنے کو کہا اور (ان کے امور کی نگرانی کے لئے) ان کے ساتھ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو بھیجا۔ (اور اگرچہ ان سے بھی حجاب کا حکم تھا لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو قرآن پاک میں امہات المومنین کہا گیا ہے اور کسی امتی کا ان سے نکاح کرنا

ممنوع ہے اس لئے وہ ازواج مطہرات کے محرم تھے اوراس طرح سے ان کا سفر بغیر محرم کے نہیں ہوا)۔

عورت کا مرد کی طرف سے حج کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِيْ عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع پر قبیلہ خثعم کی ایک عورت (آپ کے پاس) آئی اور کہا اے اللہ کے رسول حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو فرض اس کے بندوں کے ذمہ ہے وہ میرے والد پر ایسی حالت میں آیا ہے کہ وہ انتہائی بوڑھے ہیں کہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو کیا اگر میں ان کی طرف سے حج کرلوں تو ان کا حج ادا ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔

عورت کا عورت کی طرف سے حج

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّيْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ حُجِّيْ عَنْهَا (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج کرنے سے پہلے وفات پا گئی ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (ہاں) تم ان کی طرف سے حج کرلو۔

عورت کا احرام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ إِحْرَامٌ إِلَّا فِيْ وَجْهِهَا (دار قطنی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عورت پر احرام نہیں ہے لہٰذا وہ کپڑے اتار کر جسم کا کوئی حصہ نہ کھولے) سوائے اس کے چہرے میں (کہ اس کو کپڑا نہ لگنے دے)۔

غیر محرموں سے چہرے کو چھپانا بھی ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مُحرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذَوْنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَاسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَا (ابو داؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں (سفر میں) تھیں اور قافلے ہمارے پاس سے گذرتے تھے۔تو جب قافلے والے ہمارے سامنے آتے تھے تو ہم میں سے (ہر) ایک اپنی چادر کو اپنے سر سے اپنے چہرے پر (چہرہ سے کچھ دور رکھ کر) لٹکا لیتی تھی۔ (تاکہ ان کے سامنے ہمارا چہرہ نہ کھلے) پھر جب وہ آگے بڑھ جاتے تو ہم (کسی کا سامنا نہ ہونے کی وجہ سے) اپنے چہرے کھول لیتیں۔

عورت رمل نہ کرے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ رَمْلٌ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ (دارقطنی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا عورتوں پر نہ تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رمل ہے اور نہ صفا و مروہ کے درمیان (سعی کرتے ہوئے سبز ستونوں کے درمیان) دوڑنا ہے۔

عورت تلبیہ کے لئے آواز بلند نہ کرے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَا تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ (دارقطنی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا عورت تلبیہ کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے (بلکہ آہستہ آواز سے کہے)۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَتْ شَكَوْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طُوْفِي مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ میں بیمار ہوں آپ نے فرمایا کہ تم سوار ہو کر لوگوں کے پرے پرے طواف کر لو تو میں نے لوگوں کے پرے پرے طواف کیا۔

عورت بال کتروائے سر نہ منڈائے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَیْسَ عَلَی النِّسَاءِ الْحَلْقُ إِنَّمَا عَلَی النِّسَاءِ التَّقْصِیْرُ (ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں پر سر منڈانا نہیں ہے عورتوں پر تو صرف بال کترانا ہے۔

حائضہ عورت بیت اللہ کے طواف کے علاوہ تمام افعال حج وقت پر ادا کرے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا لَا نَرٰی إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا کُنَّا بِسَرِفٍ حِضْتُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ أَنَا أَبْکِیْ فَقَالَ مَالَکِ أَنَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ إِنَّ ھٰذَا أَمْرٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِیْ مَا یَقْضِی الْحَاجُّ غَیْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْھُرِیْ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم حج کے ارادے سے چلے۔ جب ہم سرف (نامی مقام پر) پہنچے تو مجھے حیض شروع ہو گئے (مجھے یہ ڈر ہوا کہ اس وجہ سے کہیں میرا حج نہ رہ جائے اس لئے مجھے رونا آیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا (پھر خود ہی اندازہ کر کے) کہا تمہیں حیض آ گیا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں (یعنی عورتوں) پر مقرر فرمائی ہے (تو دل چھوٹا نہ کرو) جیسے حاجی کرتے ہیں تم بھی کرتی رہو البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔

تمتع کرنے والی عورت کو جب عمرہ کے طواف سے پہلے حیض آ جائیں اور اسی دوران حج آ جائے تو عمرہ کا احرام چھوڑ دے۔

***

عشرۂ ذوالحج کے فضائل و برکات

مولانا محمد الیاس گھمن

اللہ تعالیٰ نے ماہ ذوالحج کو بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو حرمت، برکت، عظمت اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔

پہلی فضیلت:

اس مہینے کا شمار ان چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب) میں ہوتا ہے، جن کو حرمت عزت والے مہینے کہا جاتا ہے، ان میں خون ریزی، لڑائی جھگڑا وغیرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: ''زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آ گیا جیسے اس دن تھا جب اللہ رب العزت نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں اور ان میں سے چار حرمت یعنی عزت و احترام والے ہیں: تین تو اکٹھے ترتیب کے ساتھ ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور چوتھا مہینہ رجب والا ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔'' (صحیح البخاری)

دوسری فضیلت:

اس مہینے کے پہلے دس دنوں میں کیے جانے والے نیک اعمال کا ثواب باقی ایام کے مقابلے میں زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: ''عشرۂ ذوالحج میں کیے جانے والے نیک اعمال دوسرے عام دنوں میں کیے جانے

والے نیک اعمال کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ فضیلت والے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جہاد (جیسی عظیم عبادت) بھی ان کے برابر نہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ مگر وہ شخص جو جان و مال لے کر جہاد کے لیے نکلے اور پھر ان جان و مال میں سے کچھ بھی واپس نہ آئے۔'' (یعنی وہ شہید ہو جائے) (صحیح البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں عشرۂ ذوالحج زیادہ عظمت والا ہے اور ان دس دنوں میں کی جانے والی عبادت باقی عام ایام کی بہ نسبت اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ ان دنوں میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو یعنی سبحان اللہ کہو، تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہو، تکبیر یعنی اللہ اکبر اور تحمید یعنی الحمد للہ کہو۔''

تیسری فضیلت:

اس مہینے کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ یہ دین اسلام کے پانچویں اہم ترین رکن ''حج'' کی ادائیگی کا مہینہ ہے۔ اس لیے اس مہینے کا نام ہی ذوالحج رکھا گیا ہے یعنی حج والا مہینہ۔

چوتھی فضیلت:

اس مہینے کے مخصوص ایام (نویں ذوالحج کی نماز فجر سے تیرہویں ذوالحج کی نماز عصر تک) میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں۔ تکبیر تشریق یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

پانچویں فضیلت:

اس مہینے کے پہلے عشرہ (مراد پہلے نو دن ہیں) کے روزوں کا ثواب بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ اس کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ہاں عام دنوں کے مقابلے میں عشرۂ ذوالحج کی عبادت زیادہ محبوب ہے، اس ایک دن کا روزہ (عام دنوں کے) ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور (عشرۂ ذوالحج کی) ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (جامع الترمذی) نوٹ: یہ فضیلت یکم سے نو ذوالحج تک کے روزوں کی ہے دسویں

تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحج کے (پہلے) نو دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

چھٹی فضیلت:

اس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو مکمل فرمایا اور اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب (قرآن کریم) میں ایک آیت ایسی ہے اگر وہ ہمارے اوپر یعنی دین یہود میں نازل کی جاتی ہے تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے پوچھا کہ کون سی آیت؟ یہودی نے کہا: جس کا مفہوم یہ ہے کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہ حیثیت دین پسند کر لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ہم اس دن کو خوب جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی اچھی طرح سے جہاں یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یوم عرفہ (نویں ذوالحج) بہ روز جمعہ میدان عرفات میں وقوف فرما رہے تھے۔ (صحیح البخاری)

ساتویں فضیلت:

اس مہینے کی نویں تاریخ یعنی ''یوم عرفہ'' کا روزہ ہے۔ جس کا احادیث مبارکہ میں بہت زیادہ اجر ذکر کیا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: عرفہ (نویں ذوالحج) کے دن کے روزے (کا ثواب) ایک ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: ''جو شخص عرفہ کے دن اپنی زبان کی، اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے تو اس دن سے لے کر دوسرے سال عرفہ کے دن تک کے اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔'' (شعب الایمان للبیہقی) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حج کے دس دنوں میں سے ہر دن کو

ہزار دنوں کے برابر جب کہ عرفہ کے دن کو دس ہزار دنوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: ''میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ کا روزہ اپنے سے پہلے اور بعد والے سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔'' (صحیح مسلم) نوٹ: پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ عظیم الشان فضیلت ان لوگوں کے لیے ہے جو حج ادا نہ کر رہے ہوں، حجاج کرام کو روزہ کی وجہ سے وقوف عرفہ جیسی عبادت میں سستی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔

آٹھویں فضیلت:

اس مہینے کی نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ میں اللہ رب العزت لوگوں کو جہنم سے کثرت کے ساتھ آزاد فرماتے ہیں۔ حضرت ابن المسیب سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: ''اللہ رب العزت باقی ایام کی بہ نسبت یوم عرفہ (نویں ذوالحج) والے دن لوگوں کو کثرت کے ساتھ جہنم سے آزاد فرماتے ہیں۔'' (صحیح مسلم)

نویں فضیلت:

اس مہینے کی دسویں تاریخ کو نماز عید ادا کی جاتی ہے، عید کا دن بھی فضیلت والا ہوتا ہے اور اس کی رات بھی۔ عیدین کی راتیں ایسی مبارک راتیں ہیں اگر کوئی شخص ان میں اللہ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: ''جو شخص دونوں عیدوں (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) کی راتوں میں ثواب کا یقین رکھتے ہوئے عبادت میں مشغول رہا تو اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔'' (سنن ابن ماجہ)

دسویں فضیلت:

اس مہینے کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو اللہ کے نام پر متعین جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یعنی قربانی کے مبارک عمل کی ادائیگی کی جاتی ہے اس دن اس عمل سے زیادہ کوئی اور عمل زیادہ اجر و ثواب والا نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی خرچ کی فضیلت اس خرچ سے ہرگز زیادہ نہیں جو عید قربان والے دن قربانی پر کیا جائے۔" (سنن الدارقطنی)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: "عیدالاضحیٰ کے دن کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے بالوں، سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے لہٰذا تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔" (جامع الترمذی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ قربانی کیا ہے؟ (یعنی قربانی کی حیثیت کیا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفہوم: "تمہارے (روحانی) باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت (طریقہ) ہے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمیں قربانی کے کرنے سے کیا ملے گا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: "ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (پھر سوال کیا) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اون (کے بدلے کیا ملے گا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔" (سنن ابن ماجہ)

نوٹ: جس شخص نے قربانی کرنی ہو اسے چاہیے کہ ذوالحج کا چاند نظر آنے سے قربانی کرنے تک ناخن اور بال وغیرہ نہ کاٹے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: "جب ذوالحج کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذوالحج کا چاند نظر آ جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ ہو قربانی کا تو اس کو چاہیے (قربانی کرنے تک) اپنے بال اور ناخن نہ تراشے۔" (صحیح مسلم)

اللہ کریم ہمیں ان مبارک ایام کی قدر توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

***

قربانی کی مشروعیت حکمتیں اور مصلحتیں

محترم محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی
مضمون نگار ماہ نامہ الفاروق کراچی

قربانی تسلیم و رضا کا عنوان اور عبدیت و بندگی کا مظہر ہے، ایک مسلمان سے زندگی کے ہر موڑ پر قربانی مطلوب ہے، مال کی قربانی، وقت کی قربانی، جان کی قربانی، نیند کی قربانی اور اولاد کی قربانی، انسان کی پوری زندگی قربانیوں سے لبریز ہوتی ہے۔ جب عقل وفہم معرفت الٰہی کے سمندر کی گہرائی میں اتر جاتی ہے تو عبد و معبود کے رشتہ میں ایسی مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے کہ عبد کی عبدیت، معبود کی معبودیت کے آگے نہ صرف یہ کہ سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے، بلکہ وہ اسے آگ میں بخوشی کودنے پر آمادہ کر دیتی ہے، جذبہ قربانی وہ نشہ ہے جس کی لذت کی سرمستی اس قدر عمدہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اولاد جیسی قیمتی نعمت راہِ خدا میں لُٹا دینے پر برضا تیار کر دیتی ہے۔ جذبہ قربانی سے ہی عزیمت و استقامت کی لازوال داستان لکھی جاتی ہے اور قربانی ہی حقیقی محبت کی عظیم الشان نشانی ہے، اسی لیے قربانی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ہرگز نہیں کی جا سکتی۔

اسلام خود سپردگی کا دوسرا نام ہے، اس لیے اس کی تعلیمات اور اس کے احکام میں قربانی کا مفہوم بھی موجود ہے: نماز میں وقت اور راحت کی قربانی موجود ہے، زکاۃ وصدقات میں مال کی قربانی نظر آتی ہے، روزے میں بھوک پیاس کی قربانی دکھائی دیتی ہے، حج وقت، مال اور راحت و آرام کی قربانی سے عبارت ہے جب کہ جہاد راہِ خدا میں جان و مال کی قربانی کا منظر پیش کرتا ہے۔

جان و مال کی قربانی، جان و مال دینے والے رب کے قرب کا ذریعہ ہے، قربانی کا لفظ قُرب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں؛ چوں کہ قربانی کا مبارک عمل بندے کو اللہ کے قریب کرتا ہے

اس لیے اسے قربانی کہتے ہیں، ایک مسلمان کے لیے قربِ الٰہی بہت بڑا سرمایہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں پر ایک مستقل قربانی کو ضروری قرار دیا، تا کہ محسوس طور پر زندگی میں قربانی کا احساس کیا جاسکے۔ قربانی ہمیں یہ سبق بھی دیتی ہے کہ اللہ کی رضا اور خوش نودی کے سامنے ہم اپنی خواہشات، اپنے جذبات، اپنا غصہ، اپنی محبت اور اپنے تمام احساسات قربان کردیں۔

یوں تو اللہ کے نام پر جانور کی قربانی کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے، لیکن ایام قربانی میں قربانی ایک اہم عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا، مگر بتوں کے نام پر قربانی کی جاتی تھی، اسی طرح دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ سورہ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے، چناں چہ ﴿فصل لربک وانحر﴾ کا یہی مفہوم ہے۔

قربانی کی حقیقت

بارگاہ الٰہی میں قربانی پیش کرنے کا سلسلہ یوں تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہی چلا آرہا ہے، چنانچہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی پیش کرنے کا قصہ مذکور ہے، علاوہ ازیں قربانی کا عمل ہر امت میں مقرر کیا گیا ہے، چناں چہ سورہ حج آیت نمبر 34 میں اللہ کا ارشاد ہے: "اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض سے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں عطا کیے ہیں۔" البتہ اس کے طریقے اور صورت میں کچھ فرق ضرور رہا ہے، قربانی کی ایک عظیم الشان صورت وہ ہے جو امت محمدیہ کو عطا کی گئی ہے، یہ قربانی ہر سال صاحب نصاب مسلمانوں پر جانور کی قربانی کی شکل میں واجب ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، عید الاضحیٰ کی قربانی کے متعلق رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "قربانی تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور یادگار ہے۔" اس قربانی کا اصل مقصد جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے، چناں چہ اس سے جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی بات قربانی کی روح ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی قربانیوں کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم کی قربانی دلوائی، آپ نے اپنا ملک، گھر، والدین اور دوستوں کو چھوڑ کر، مکہ مکرمہ کی بے آب وگیاہ وادی کی جانب ہجرت کی، بیت اللہ کے پاس بیوی اور شیر خوار بچے کو چھوڑنے کا عزم کیا اور جب وہ بچہ دست و بازو اور بڑھاپے کا سہارا بننے

کے قابل ہوا تو اسے ذبح کردینے پر آمادہ ہوگئے، یہ سب رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے قابل تقلید عمل ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی مرضیات اور اپنی محبتوں کو کس طرح قربان کیا جاتا ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے بخوبی سیکھا جا سکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ قربانی بطور سنت ابراہیمی عطا فرمانے کا فیصلہ فرمایا، چنانچہ دس ذی الحجہ سن دو ہجری کو رحمت دو عالم ﷺ نے دو رکعت نماز عید ادا فرمائی اور دو مینڈھے ذبح کیے اور مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا۔ ترمذی کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ دس سال مدینہ میں مقیم رہے اور ہر سال قربانی کیا کرتے تھے، اپنے آخری حج میں تو رحمت دو عالم ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی، استطاعت کے باوجود جو لوگ قربانی نہیں کرتے ہیں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے، اس سے قربانی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اولاد اور قربانی کا جانور

سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے بیٹے کی قربانی پیش کرنے کا اشارہ دیا تھا، پھر یہ حکم بیٹے سے پھیر کر دنبے کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو براہِ راست کسی جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، یہ اس لیے تھا تاکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کو یہ پیغام دیا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد قربان کرنے کا حکم آجائے تو توحید و ایمان کی تکمیل کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ کے حکم پر اپنی اولاد کو قربان کردے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

دراصل قربانی کیا ہے، ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے، جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں، وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں ہے وہ تو وھو یطعم ولا یطعم ہے، ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھالوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا، بلکہ وہ تمھیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اس طرح قربان ہوجاؤ اور یہ بھی تمھارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی جانور قربان کر دو۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص:118)

رحمۃ اللہ الواسعۃ میں ہے: قربانی صرف اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی درست ہے، کیوں کہ یہ پالتو مویشی ہیں اور سرمایہ ہیں، ان کی قربانی کرنے کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ جنگلی جانور ہرن وغیرہ کی قربانی تو مالِ مفت دلِ بے رحم والا معاملہ ہے۔ اور کوئی ہرن پال لے تو یہ خاص معاملہ ہے، احکام عام حالات پر مرتب ہوتے ہیں اور گھوڑے گدھے اور خچر کی قربانی اس لیے درست نہیں کہ وہ ماکول اللحم نہیں۔

قربانی میں عمدہ جانور مطلوب ہے

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ لکھتے ہیں:

قربانی کے جانور کو فربہ کرنا اور عمدہ جانور کی قربانی کرنا مستحب ہے اور عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی من وجہٍ مالی عبادت ہے۔سورہ الحج آیت: 37 میں ہے:"اللہ کے پاس نہ ان (ہدیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ بلکہ ان کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے"۔یعنی قربانی میں اصل مقصود تقوی ہے، جو دل کی ایک کیفیت ہے، مال نہیں ہے۔مگر اس کا تقوُّم (وجود) قربانی کے جانور کے ذریعہ ہوتا ہے، پس قربانی ضروری ہے۔ پھر جانور قربان کرنے کے بعد اس کا گوشت یہیں دنیا میں رہ جاتا ہے۔اس کو اللہ کی میزبانی کے طور پر خود قربانی کرنے والا اور دوسرے بندے استعمال کرتے ہیں۔اور کچھ حصہ اس کا رائیگاں جاتا ہے۔خون، ہڈیاں وغیرہ پھینک دی جاتی ہیں۔اور جب جانور کی قربانی ضروری ٹھہری تو جانور مال ہے۔ پس قربانی بھی مالی عبادت ہے اور مالی عبادت کے بارے میں اللہ پاک نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے:"تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو" اور مریل اور عیب دار جانور پیارا کب ہوتا ہے۔عمدہ فربہ جانور پیارا ہوتا ہے۔ایسا جانور قربان کرنے سے قربانی کرنے والے کی سچی رغبت ظاہر ہوتی ہے۔اور دوسری بات سورۃ البقرہ آیت: 267 میں ارشاد فرمائی ہے:"اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز اپنی کمائی سے اور اس سے جو کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے۔اور ردی (بیکار) چیز کو خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو" اس حکم خداوندی کے بموجب عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں۔رحمۃ اللہ الواسعۃ (632/3)

عیدالاضحیٰ میں قربانی

عیدالاضحیٰ کا دن وہ دن ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جاں نثاری کی یاد دلاتا ہے، یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور تسلیم و رضا کو شرفِ قبولیت عطا فرمائی، ہر سال جانور کی قربانی اسی مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات اور ان کے جان و مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی جائے، نیز جو مسلمان حج کے لیے مکہ نہیں پہنچ سکے وہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے ان کی مشابہت اختیار

کرلیں، تاکہ حج کی شان بلند ہو اور لوگوں میں حج کرنے اور منی میں جانور ذبح کرنے کا شوق وولولہ پیدا ہو۔

اس موقع پر جانور کی قربانی میں مصلحت یہ ہے کہ اس سے مخلوق پر شفقت کا اظہار ہوتا ہے؛ چنانچہ عید الفطر میں مخلوق خدا پر شفقت کے لیے صدقہ فطر واجب کیا گیا اور عید الاضحی میں مساکین اور دوست ورشتہ دار کے لیے گوشت کی مہمانی مقرر کی گئی، گوشت کا مرغوب، مقوی، قیمتی اور عمدہ غذا ہونا سب کو معلوم ہے، اسی لیے ایام قربانی میں جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا درست نہیں ہے، تاکہ گوشت کی مہمانی سے کوئی محروم نہ رہے، صدقہ کے پیسے سے ہر کوئی گوشت خریدے گا ضروری نہیں ہے اور اسی لیے عید الاضحی کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانا غیر مناسب بات ہے، کیوں کہ جب قربانی کرنے والا بھوکا ہوگا تو قربانی کا گوشت خوب رغبت سے کھائے گا، ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اور مصلحتیں جانور کی قربانی سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں، اس لیے عید الاضحی کے موقع پر جانور کی قربانی عقل و شرع، ہر اعتبار سے بہت موزوں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: رحمۃ اللہ الواسعۃ 3 / 624، ص:126 حصہ دوم)

ذبحِ انسان مصلحت کے خلاف ہے

بلاشبہ انسان کا اللہ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا بہت عمدہ بات ہے، بلکہ یہ تقاضائے بندگی ہے، یہی وجہ ہے کہ درجہ شہادت کا حصول اعلی کمال مانا گیا ہے اور شہادت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، لیکن ہر سال ہر صاحب نصاب کا ذبح ہونا وجودِ کائنات کی مصلحتوں کے خلاف ہے، کیوں کہ ہر انسان کے ساتھ دوسروں کے حقوق ہیں، کسی کی پرورش ہے، کسی کے نان ونفقہ کا مسئلہ ہے، کسی کی شادی کرانی ہے اور کسی کے مالی حقوق واپس کرنے ہیں وغیرہ وغیرہ، اگر قربانی کے نام پر انسان ذبح ہوتا رہے تو سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور حقوق کا ضائع ہونا ذبح انسان سے زیادہ باعثِ مشقت اور تکلیف کا موجِب ہے۔

قربانی خلافِ رحم نہیں ہے

اسلام مخالف ماحول میں یہ بات بہت شدت سے بلند کی جاتی ہے کہ عید الاضحی میں جانوروں کی قربانی رحم کے خلاف ہے، لوگ اسے ہندی میں "جیو ہتیہ" کہتے ہیں، بعض شدت پسند حکومتیں اس پر پابندی کی نہ صرف باتیں کرتی ہیں، بلکہ اس کے لیے قانون سازی پر آمادہ نظر آتی ہیں، میڈیا اور ٹی وی ڈیبیٹ کے ذریعہ خوب پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے بعض کم علم مسلمان بھی شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ قربانی از روئے

عقل بھی خلافِ رحم نہیں ہے،اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کی چشم کشا مفصل تحریر درج ذیل ہے،وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو ماننے والی قومیں، خواہ وہ کوئی ہوں، اس بات کی ہرگز قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو رحمن و رحیم مانتے ہیں۔اب خدا کا فضل دیکھو کہ ہوا میں باز، شکرے، گدھ اور چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں۔گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے، پھر دیکھو آگ میں پروانے کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، پھر پانی کی طرف خیال کرو کہ اس میں کس قدر خوں خوار جانور موجود ہیں، گھڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں اور اود بلاو وغیرہ۔ یہ چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھا جاتے ہیں، بلکہ بعض مچھلیاں قطبِ شمالی سے قطبِ جنوبی تک شکار کے لیے جاتی ہیں۔ پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطحِ زمین پر دیکھو کہ چیونٹی کھانے والا جانور کیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے، بہت سی چیونٹیاں اس کی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اس کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں تو جھٹ زبان کھینچ کر سب کو نگل جاتا ہے۔مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے،مکھیاں کھانے والا جانور اپنی غذا ان جانوروں کو ہی مار کر بہم پہنچاتے ہیں، بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے،جنگل میں شیر بھیڑیے تیندوے کی غذا جو مقرّر ہے، وہ سب کو معلوم ہے، بلّی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔اب بتلاو کہ اس نظارہ عالم کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانونِ ذبح جو عام طور پر جاری ہے، یہ کسی ظلم کی بنا پر ہے۔ ہرگز نہیں، پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنے کے ظلم کا الزام کیا مطلب رکھتا ہے؟ انسان کے جوئیں پڑ جاتی ہیں یا کیڑے پڑ جاتے ہیں، کیسے بے باکی سے ان کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے؟ جب اسے ظلم نہیں کہتے، اشرف (اعلیٰ) کے لیے اخس (ادنیٰ) کا قتل جائز ہے،تو ذبح پر اعتراض کیوں کر ہوسکتا ہے؟ بلکہ غور کرو اور حضرت ملک الموت کو دیکھو کہ کیسے کیسے انبیاء ورُسُل، بادشاہ، بچے،غریب، امیر،سوداگر سب کو مار کر ہلاک کرتے ہیں اور (اس) دنیا سے نکال دیتے ہیں۔ پھر غور کرو کہ اگر ہم جانوروں کو عید الاضحیٰ (وغیرہ) پر اس لیے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کے خلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا اور اگر جانوروں کو ذبح کرنا خلافِ رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خوار جانوروں کو پیدا نہ کرتا۔ نیز اگر ان کو ذبح نہ کیا جائے تو خود یہ بیمار ہو کر مریں گے۔پس غور کرو ان کے (ایسے) مرنے میں کس قدر تکلیف لاحق ہوگی۔

قانونِ الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بے حد بڑھنا چاہتی ہے۔ اگر ہر ایک برگد کے بیج حفاظت سے رکھے جائیں تو دنیا میں برگد ہی برگد ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو،مگر دیکھو ہزار جانور اس کا پھل کھاتے

ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا مرضی الٰہی ہے۔ اسی طرح اگر سارے جانوروں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی ان کے چارے کے لیے کافی نہ ہوگی، آخر بھوک پیاس سے خود ان کو مرنا پڑے گا، جب کہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلافِ مرضی الٰہی کیوں ہے؟ اس مسئلے کو تو ان دنوں ہندوستان کے متعصب لوگوں نے بھی خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے کہ ان جانوروں کے پالنے والے ان کی کفالت سے معذور ہو کر کس طرح انھیں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حکومت کی جانب سے ان کے ذبح پر پابندی لگانے سے کسانوں کا کیا ردِ عمل سامنے آیا ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص: 120)

قربانی کی عمومی حکمتیں

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور ہم اس کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن بندے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے فیصلوں کی علت اور حکمت کا مطالبہ کرے، اس کا کام بس اتنا ہے کہ وہ اللہ کے فیصلوں کو دل و جان سے قبول کرے اور عمل کرتا رہے۔ تاہم اللہ کے فیصلوں اور اس کے احکام کی حکمتوں کا ادراک اور علم ہو جانا کچھ غلط نہیں ہے، بلکہ بعض لوگوں کے لیے اطمینان قلبی کا موجِب ہے، اسی پس منظر میں قربانی کے متعلق کچھ حکمتیں لکھی گئی ہیں۔

1۔ قربانی درحقیقت جان و مال جیسی قیمتی نعمت کا شکرانہ ہے۔

2۔ یہ شعائر اسلام اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ذریعہ ہے۔

3۔ قربانی اپنی ذات، اہل خانہ، پڑوسی، دوست احباب، رشتہ دار اور غرباء و مساکین پر وسعت سے کام لینے کا باعث ہے، نیز یہ مہمانوں کی عزت کا موجِب ہے۔

4۔ یہ سنتِ ابراہیمی پر عمل درآمد کا اظہار ہے۔

5۔ قربانی اس بات پر دال ہے کہ قربانی کرنے والا ان تمام امور اور واقعات کی تصدیق کرتا ہے جس کی اطلاع اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے دی ہے۔

6۔ قربانی صبر، استقامت، ایثارِ نفس، تسلیم و رضا اور محبتِ الٰہی کے اظہار سے عبارت ہے، جو یہ بتاتی ہے کہ جب بندہ ان اوصاف سے آراستہ ہوتا ہے تو مشیَّتِ الٰہی قدم قدم پر اس کی رہبری کرتی ہے۔

***

مملکتِ خداداد میں سدومیت کی راہیں ہموار کرنے کی تدبیریں

تحریر: مولانا محمد طفیل کوہاٹی

بشکریہ ماہ نامہ البینات

ٹرانس جینڈر ایکٹ پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا، اس کی قانونی تشریح کرنے والے ماہرین بھی اس پر تقریباً متفق ہیں کہ اس ایکٹ کی آڑ میں ہم جنس پرستی کا دروازہ کھولنے کی گھناؤنی سازش رچائی گئی ہے۔ ذیل میں اس ایکٹ تک رسائی کی تاریخ اور اس سے پیدا ہونے والے مباحث کا مختصر تجزیہ پیشِ نظر ہے:

1- وطنِ خداداد کو یکجا رکھنے کی اِکائی رنگ ونسل، قوم وزبان اور تہذیب وثقافت سے ماوراء ہے، یہ اکائی ''دینِ اسلام'' ہے، اگر معاشرے کی مذہبی شناخت قائم رہے گی تو یہ مملکتِ خداداد باوجود انتظامی و سیاسی شکست وریخت کے دنیا کے نقشے پر پورے طمطراق سے دشمنوں کے سر پر سوار رہ کر باقی رہے گی۔ اگر خاکم بدہن معاشرہ اپنی مذہبی شناخت سے دستبردار ہونے کی راہوں پر گامزن ہو چلے تو اس ملک کو یکجا رکھنے کی کوئی اور اِکائی سرے سے موجود ہی نہیں۔ مملکتِ خداداد کی حفاظت پر مامور محافظین سمیت دانشور طبقہ اس نکتہ کو بخوبی سمجھتا ہے کہ مملکتِ پاکستان کی تعمیر میں مذہبی معاشرے کا کردار ہی کلیدی نوعیت کا ہے۔ ہم آدھا ملک اسی لسانی وقومی شناخت کے لیے اتاؤلوں کے ہاتھ گنوا چکے ہیں اور اس وقت بھی ملک دشمن طاقتیں لسانی، قومی اور علاقائی عصبیت پر مبنی تحریکوں کے ذریعے اپنے مقاصد نکالنے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ تاہم یہ طاقتیں اس بات کا بھی اِدراک رکھتی ہیں کہ جب تک پاکستانی معاشرہ مذہب کی اخلاقی قدروں سے بالکلیہ آزاد نہ ہوا اُسے توڑنے کا عمل کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اخلاقی قدروں کی ریخت کا یہ سفر عرصہ سے جاری ہے۔ جاہلی عصبیت کا فروغ بھی اسی کا حصہ ہے،

فحاشی وعریانی اور مادر پدر آزاد تہذیب کا چرچا بھی انہی مقاصد کی تکمیل کا زینہ ہے۔ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے بے لباس ثقافت کی راہ ہموار کرنے اور معاشرتی اقدار کو توڑنے کے لیے مخصوص ڈراموں اور فلموں کا رواج بھی اسی مہم جوئی کے تحت ہے، لیکن قانونی سطح پر ہم جنس پرستی کے لیے ٹرانس جینڈر ایکٹ کا جو تازہ کھیل کھیلا گیا ہے، یہ ہماری معاشرتی و دینی اقدار کے خلاف سب سے گہری و گھناؤنی سازش ہے۔

2- خدا کی زمین پر ہم جنس پرستی کی لعنت کا سب سے پہلے پرچار کرنے والے اہلِ سدوم تھے۔ سدوم کی بستیوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے، قرآنی تصریح کے مطابق اہلِ سدوم سے قبل اس زمین پر کسی ابن آدم نے اس فعلِ بد کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔

پہلے پہل یہ چند اوباش طبع افراد کے جتھے کا عمل تھا جو راہ گزرتے مسافروں کو تنگ کرنے کی غرض سے اس قسم کے آوازے کستے۔ تاہم جب ایک بات قوم کی عام مجلسوں کا موضوع بن جائے تو اس کی سنگینی اور حساسیت کا تأثر رفتہ رفتہ ذہنوں سے مٹنے لگتا ہے، آج کا میڈیا بھی یہی کردار ادا کرتا ہے کہ قوم کے ذہنوں سے معصیت کی سنگینی کا احساس بتدریج مٹایا جائے۔ اس وقت کی یہ ضرورت شاید چوپالوں اور بیٹھکوں نے پوری کی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا یہ فعل انفرادی سطح پر نہیں رہا، بلکہ اسے معاشرتی جواز ملنے پر یہ قومی مرض بن گیا، یہاں تک کہ ان کی عادات میں اس قدر رچ بس گیا کہ ان کا نشہ بن گیا، جس طرح نشئی دور سے اپنے نشے کی بو سونگھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے یا نشہ کرنے والوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی نشیانہ حس پھڑکتی ہے، بعینہ یہ دور سے اپنے مقصدِ غلیظ کی تکمیل کا موقع بھانپ لیتے تھے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کرنے اور زمین کو ان کی غلاظت سے نجات دینے کا فیصلہ کیا، اس وقت بطور آزمائش ملائکِ عذاب کو امارد کی شکل میں ان کی بستی میں بھیجا، قرآن کریم نے اس موقع پر ان کے رویے کی جو منظر کشی کی ہے، اس سے سدومی معاشرے کی اقداری سطح کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

”وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَاقَوْمِ هَؤُلَاءِ
بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ۔“

ترجمہ: ”اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے کہ: اے میری قوم! یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں، وہ تمہارے (نفس کی کامرانی کے) لیے (اچھی) خاصی ہیں، سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو، کیا تم

میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں۔''

وہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ دوڑے، نہ لوط علیہ السلام کی نجابت سے شرم آئی، نہ اجنبیوں کے بارے اس طرح کے اِقدام سے کوئی خوف وحجاب لاحق ہوا، یہ تو ان کی اخلاقی پامالی تھی، لیکن اس اقدام سے یہ بھی پتہ چلا کہ نہ صرف معاشرتی سطح پر اس عمل کی سنگینی کا ادراک محو ہو چکا تھا، بلکہ اس طبقہ کی حیثیت و پوزیشن اتنی مضبوط تھی کہ وہ اس قسم کے اقدامات کے ممکنہ معاشرتی عواقب سے قطعاً بے خوف و مطمئن تھے۔

قرآن مجید نے ان کے آنے کو''ھرع'' سے تعبیر کیا ہے، جو کسی زخم سے نکلنے والے اس تیز دھار خون اور پیپ کی کیفیت کو کہا جاتا ہے کہ پچھلے کے مسلسل دباؤ سے اگلا رکنے کا نام ہی نہ لے۔ کسی جرم کی طرف علانیہ اس طور پر آنا کہ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے، دھکم پیل کرتے اور بے خبروں کو خبردار کرنے کے لیے ڈھنڈورا پیٹنے کا عمل بھی ساتھ جاری ہو، دھاریں مارتے ہوئے ہوئے ناپاک خون کی سی وہ کیفیت ہے جو گردوپیش کو پوری طرح آلودہ کر کے رکھ دیتا ہے اور اپنے تسلسل کے باعث بدترین نفسیاتی پریشانی پیدا کر دیتا ہے۔ اس قوم کی مجرمانہ نفسیات کو سمجھنے کے لیے یہی ایک لفظ کافی ہے، قرآن مجید کے اسی ایک لفظ نے ان کی مجرمانہ ذہنیت کی سطح پوری طرح آشکارا کی ہے۔ نفسیاتی رو سے روحانی امراض کا یہ وہ خطرناک طبعی اثر ہوتا ہے جہاں خدائی قوانین سے انحراف معاشروں میں اجتماعی فساد فی الارض کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور فطرت کے خلاف اس درجہ بغاوت کے بعد معاشروں کے وجود کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا، اس کے بعد خداوند قدوس کے نظامِ تکوین کی حرکیات کے تحت ان کا تذکار صرف ''عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ'' کی شکل میں باقی رہتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے اعجازی اسلوبِ بیان کے تحت ان کی اس بھاگ دوڑ کے لیے جو لفظ اختیار کیا، اس کے مفہوم سے اشارہ ملتا ہے کہ سدومی معاشرہ کی مثال ایسے ناسور کی طرح ہے جس سے بہنے والا خون اور پیپ رکنے کا نام نہ لے، یعنی سدومیت کا ناسور معاشرہ کو ایسے ہی ناپاک کر کے رکھ دیتا ہے، جیسے مسلسل بہنے والے خون کے ساتھ پاکی کا تصور ممکن نہیں رہتا۔

قرآن مجید نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اہلِ سدوم کی یہ مجرمانہ سطح کسی اچانک اور وقتی جذبے اور انقلاب کا اثر نہیں تھا، بلکہ یہ معاشرہ ''سَيِّئَات'' کے ایک پورے پراسس سے گزر کر اس سطح تک پہنچا تھا۔ معاشروں کی تباہی کے لیے انسانیت میں خدا کی اعلانیہ بغاوت یکدم برپا نہیں ہوتی، انسان ضمیر کو بارہا

شکست دیتے دیتے باغیانہ مقام تک پہنچتا ہے، لہٰذا معاشروں کو عمومی تباہی سے بچانا اسی وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب ''سَیِّئات'' کے مرحلے پر اس سلسلہ کو روک لگا دی جائے، اگر یہ بند نہ باندھا جائے تو زمین کی تطہیر کے لیے تکوینی طور پر ریخت کا عمل برپا ہو کر ہی رہتا ہے، چاہے وہ تطہیرِ ارض براہِ راست آسمانی عذاب کی شکل میں ہو یا انسانوں کو انسانوں پر مسلط کرنے کی شکل میں۔

قرآن مجید اس بات کی بھی صراحت کرتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اس مجرمانہ سطح پر پہنچنے کے بعد بھی فرائضِ نبوت کی ادائیگی کے لیے سرگرمِ عمل رہے اور وعظ و اِنذار کے ذریعے قوم کی نفسیات کو دو انداز سے جھنجھوڑا۔ ایک تو انہیں خدا سے ڈرایا کہ انسان میں اگر جرم کی نفسیات غالب بھی ہوں، تب بھی اس کے اعصاب پر بالاتر ہستی کا ایک خوف سوار ہوتا ہے اور اکثر اوقات یہی احساسِ خوف اسے جرم سے روک دیتا ہے یا جرم کا بوجھ اس کے سر پر سوار رکھتا ہے، جس سے اس کی اصلاح کی توقع موجود ہوتی ہے، لیکن مجرمانہ نفسیات کی منتہائی سطح پر خوف کا یہ احساس اس قدر مضمحل ہو جاتا ہے کہ تکوینی تھپڑ کے بغیر اسے بیدار کرنا ممکن نہیں رہتا۔

خدا کی نصرت سے کسی نبی کی قوتِ توجہ اپنے عہد کے تمام تر لوگوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے، اس کی اعصابی طاقت مجرمانہ نفسیات کے سامنے کبھی اضمحلال کا شکار نہیں ہوتی، اس منتہائی مجرمانہ ذہن کے سامنے لوط علیہ السلام نے خدا خوفی کی دعوت کے ساتھ انہیں تکمیلِ شہوت کے جائز ذرائع کی نشان دہی کی کہ تمہاری بیویاں جو میری روحانی اولاد ہیں، تمہاری اس قسم کی توجہ و ترکیز کی زیادہ لائق ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں قرار دینا ایک تو نبوی شفقت و رأفت کا اظہار تھا، دوسرا یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام اہلِ سدوم میں سے نہیں تھے، نسلی و قومی اجنبیت ایسے وحشی و بہیمی معاشروں میں بعض اوقات ایک کمزوری بن جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوتی حکمت عملی کا یہ پہلو بڑا نمایاں ہے کہ وہ دعوت و انذار میں قوموں کے ساتھ اپنائیت کا لہجہ ترک نہیں کرتے۔ تیسرا یہ کہ نفسیاتی طور پر یہ اہلِ سدوم کے لیے ایک بہت بڑی عار بھی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام تو ان کے حرم کو بیٹی کا تقدس اور اپنائیت بخش رہے ہیں، لیکن ان کی حس ایسی بگڑ چکی ہے کہ وہ لوط علیہ السلام کے اجنبی مہمانوں کے درپے ہیں، لیکن جب غیرت مکمل مردہ ہو تو ایسی لطیف و باریک تعبیرات سے سبق لینا ممکن نہیں ہوتا۔

3- حضرت لوط علیہ السلام کی تلقین سے معلوم ہوا کہ غیر جنس یعنی اپنی بیوی کی طرف میلان ہی فطری

ہے۔ ہم جنسی میلانات قطعاً غیر فطری ہیں۔ فرائیڈ یا دیگر انگریز دانشوروں نے ہم جنس پرستی کو جو جینیاتی جرثوموں کی فطری تحریک کا عمل کہہ کر جواز بخشنے کی کوشش کی ہے، یہ قطعاً بلا دلیل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انسان بھیمی جذبات کے تحت فطری عفت کا آخری درجہ بھی زائل کر دے، جس کے بعد اس کی نظر میں محرمات وہم جنس سے ملاپ کی بھی کوئی قباحت باقی نہیں رہتی، لیکن ماہرینِ نفسیات جانتے ہیں کہ اس درجہ تک رسائی روحانی کے ساتھ ساتھ ایک جسمانی مرض ہے، اور فطری جذبات سے انحراف اور بگاڑ ہے، ایسا انسان طب کی نظر میں غیر متوازن یعنی اب نارمل ہوتا ہے۔ فطرت سے اس انحراف کے نتیجے میں تحریکِ شہوت کے جرثوموں کی حرکیات بے قاعدہ ہو جاتی ہیں، لیکن انہیں توازن پر لانا ایسا ہی ممکن ہوتا ہے جس طرح دیگر جسمانی امراض میں مرض کے علاج کے ذریعے تعدیلِ مزاج ممکن ہوتا ہے، لیکن ان جرثوموں کا فطرتاً غیر متوازن ہونا اور اس بنیاد پر ہم جنس پرست میلانات کو فطری و جینیاتی کہنا علمِ نفسیات وطب کی رو سے خلافِ حقیقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات فطری ہوتی ہیں اور ان کی نکیر ہمیشہ غیر فطری امور پر رہتی ہے۔ لوط علیہ السلام کی سدومی مزاج پر نکیر اور انہیں اپنی بیویوں سے قضائے شہوت کی تلقین اس کی واضح اور کافی دلیل ہے کہ انسان کے فطری مزاج اور جینیاتی نظام میں ہم جنس پرست میلانات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی مجرمانہ ذہنیت پر دوسری چوٹ یہ لگائی کہ آپ کا اس طرح کا اقدام معاشرتی رو سے بہت بڑی بے شرمی اور باعثِ رسوائی عمل ہے، جن افراد کے بارے میں آپ ناپاک عزائم لے کر وارد ہوئے ہیں وہ مہمان ہیں اور مہمان کے بارے میں اس طرح کے عزائم کا اظہار میزبان کی رسوائی ہے۔ کوئی معاشرہ کسی جرم کی جس درجہ لت کا شکار ہو، تاہم اگر اس میں حمیت کی رمق قدرے بھی باقی ہو تو وہ مہمانوں سے اجتماعی اور اعلانیہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، بعض اوقات خدا خوفی سے عاری اقوام معاشرتی رسم ورسوم کا تو کچھ لحاظ رکھ ہی لیتی ہیں، لیکن سدومی معاشرہ خدا فراموشی کے ساتھ ساتھ معاشرتی اقدار بھی کھو چکا تھا، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام کی اس دوسری تنبیہ سے بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے کہہ دیا کہ آپ ہمارے ارادوں کو جانتے ہیں، ہم آپ کی پیش کردہ تجویز وہدایت کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے، ہماری ترجیح تو آپ کے پاس آئے ہوئے مہمان ہیں۔ قوموں کی تباہی کی حد یہی سرخ لکیر ہوتی ہے جسے وہ پار کر کے دائمی غضب کی مرتکب ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس فطری حل موجود ہونے کے باوجود وہ خدا کی بغاوت پر مبنی طرزِ زندگی اور غیر فطری حل

سے باز نہیں آتے اور جب ان کے سامنے فطری حل رکھا جائے تو وہ اسے یکسر مسترد کر دیتے ہیں۔

4-سدومی معاشرہ کی تباہی کے ذمہ دار جہاں وہ بدکردار تھے جو لوط علیہ السلام کے دروازے پر دھاوا بولے بیٹھے تھے، وہاں اس قوم کے دانشور بھی اس جرم میں برابر کے شریک تھے، کیونکہ قوم کے دانشوروں نے بھی اس عمل قبیح کو ان عادی مجرموں کا بنیادی ''حق'' (رائٹ) تسلیم کر کے معاشرتی سطح پر ان کی مغضوبانہ سرگرمیوں کو جواز بخشا اور جب لوط علیہ السلام نے قوم کے سامنے معقول اور منطقی بات رکھی اور اسے مسترد کیا گیا تو آخر میں یہی دہائی دی کہ کیا تم میں کوئی سمجھ دار انسان نہیں رہا؟ ظاہر ہے کہ جب دانشور اور سمجھ دار طبقہ جرم اور مجرم کا پشت پناہ بن جائے تو کون اسے رجل رشید کہے گا؟ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو پیغمبر کے حرم کا حصہ ہونے کے باعث عفیفہ و طاہرہ تھی، قومی رجحانات کے تحت بدکرداروں کی اس گھناؤنی حرکتوں کو ان کا ''حق'' تسلیم کرتی رہی۔ ظاہر ہے جو خدا کی محرمات پر مجرمانہ خاموشی سے بڑھ کر اسے جواز بخشنے تک کا کفر کر بیٹھے وہ خدا کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے، اس لیے قومِ لوط جب اس کھلی بے حیائی پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئی اور ان پر پتھروں کی بارش کے ساتھ ان کی بستیوں کو اُلٹ کر پھینکا گیا تو معاشرے کا یہ آزاد خیال (براڈ مائنڈڈ) طبقہ بھی اس کی زد میں آیا، یہاں تک کہ لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے اس نظریے کے باعث عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی۔

5-سدومیت انسانی رذالت کا انتہائی مقام ہے، اس لیے اس جرم کے عادی افراد میں رذالت پنپتی ہے، جس کے باعث وہ بدترین احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس شناخت کے ساتھ ایک اندرونی کرب وعذاب سے دوچار رہتے ہیں۔ اگر انہیں معاشرتی پذیرائی ملے تو گندگی کا احساس ان کے لاشعور میں موجود ہی رہتا ہے، جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام جب سدومیوں کو اس عملِ قبیح سے روکتے تھے تو وہ برملا کہتے تھے کہ انہیں اس بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ گو کہ یہ کلام وہ لوط علیہ السلام اور مؤمنین پر بطور عیب جوئی کستے تھے کہ انہیں اپنی گندگی پر فخر تھا اور ان کی پاکبازی انہیں قبول نہیں تھی، لیکن اس کے لیے جو تعبیر اُن کی زبانوں سے صادر ہوئی، وہ ان کے لاشعور میں پڑی حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ بہر حال طہارت و پاکیزگی کا نمائندہ تو لوط علیہ السلام اور مؤمنین ہی کا عمل ہے۔

6-سدومی مزاج میں نامردی اور کمینگی پائی جاتی ہے، جس سے مردانہ خصائص و مزایا باقی نہیں رہ پاتے، نتیجۃً اس عمل کا عادی معاشرہ بے حوصلگی، مکاری، نامردی اور بزدلی کا شکار رہتا ہے۔ جب وہ طاقت

سے عاری ہوتو اس کی رذالت انسانیت کے لیے ناسور ہوتی ہے اور جب ان کے پاس طاقت ہوتو ان میں تشدد کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مغرب نے ہم جنس پرستی کو رواج دینے کی اعلانیہ بغاوت تو کر لی ہے، لیکن اس کے بدترین عواقب انہیں اسی صورت میں مل رہے ہیں۔

7- سدومیت زدہ افراد اضطراب اور بے چینی کے حل کے لیے منشیات اور شراب نوشی کی طرف بڑھتے ہیں، جس سے معاشرہ کی عملی سرگرمیوں بالخصوص تعلیم و تعلم، انتظام و انصرام، نسق حکومت وغیرہ جملہ شعبہ ہائے زندگی میں ایک تعطل پیدا ہو جاتا ہے، اس تعطل کو قانون کے جبر اور سرمایہ کے زور سے عارضی طور پر گو روک لیا جائے، تاہم ایسے افراد کو جہاں قانونی چور دروازہ ملتا ہے تو ان کے تعطل کا اثر ان کے کاموں اور معاشرے پر ضرور پڑتا ہے، دنیا میں بڑھتے ہوئے نشے اور ان تباہ کاریوں کی پشت پر ایک حد تک سدومی جذبات کا بھی عمل دخل ہے۔ سدومیت زدہ افراد کی قوتِ ارادی بھی بری طرح مفلوج ہو جاتی ہے اور وہ عملاً کسی بلند ہدف تک رسائی نہیں پا سکتے۔

8- سدومیت کا ایک بدترین اثر جسمانی امراض ہیں، قرآنی تصریح کے مطابق یہ گندگی ہے اور ہر گندگی کا اثر جہاں روح پر پڑتا ہے، وہاں اس کے جسمانی نقصانات بھی واضح ہیں، مثلاً ایڈز وغیرہ کے امراض اسی طرح کی گندگیوں کی پیداوار ہیں۔ ایسے افراد نفسیاتی اور دماغی بیماریوں کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ میرے ایک دوست ڈاکٹر نے ایک نفسیاتی مریضہ کا جو میڈیکل کی طالبہ تھیں اور بیماری کے باعث پڑھائی چھوٹنے کے قریب تھی، مجھ سے رابطہ کروایا کہ اس کے کچھ مذہبی اشکالات ہیں' انہیں سن کر رہنمائی کی جائے، جب اس لڑکی سے اس کے حالات کی تفصیلی تاریخ لی گئی تو اس کے پس منظر میں یہ بات سامنے آئی کہ اس کی ایک دوسری رشتہ دار لڑکی کے ساتھ ہم جنس پرستی کی لت نے اسے اس مرحلے تک پہنچایا تھا۔ نفسیاتی ڈاکٹروں کے پاس ایسے درجنوں کیس ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک میں جہاں یہ حیوانیت عام ہے، نفسیاتی امراض کی شرح ساری دنیا سے بڑھ کر ہے۔

9- ہم جنس پرستی کو فروغ دینے میں اس وقت جو ممالک سرگرم ہیں، ان میں امریکہ پیش پیش ہے۔ ہم جنس پرست تحریک ۱۹۲۰ء میں منظم ہوئی اور مختلف ممالک میں رفتہ رفتہ اپنے مقاصد مکمل کرتی رہی۔ ان کا جھنڈا بنا، انہیں قانونی حیثیت ملی، پھر ان ننگِ انسانیت افراد کو ''سٹارز'' کہا جانے لگا اور ان کی اس بہمیت سے بدتر عمل کو کمائی کا ذریعہ قرار دے کر ایک انڈسٹری تسلیم کر لیا گیا، پھر اسے انڈسٹری سے بڑھا کر خاندان

کا متبادل تسلیم کیا جانے لگا اور برملا یہ نعرے اُٹھے کہ ہم جنس پرست عمر بھر ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ چند سال قبل بھارتی سپریم کورٹ نے بھی ہم جنس پرستی کو جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ اس وقت دنیا بھر کے ۱۱۳ ممالک میں ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہے، جن میں مالی، اردن، قازقستان، ترکی، تاجکستان، کرغزستان، بوسنیا اور آذربائیجان جیسے ۹ مسلمان ممالک بھی شامل ہیں اور ۷۶ ممالک میں یہ غیر قانونی ہے۔ پاکستانی معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے اس کی شکل ٹرانس جینڈر ایکٹ کی شکل میں سامنے لائی گئی، یعنی اندرونی احساس کے پیش نظر اگر ایک مرد خود کو بطور خاتون شناخت کروائے تو شناختی ادارے اس کے پابند ہیں کہ اسے عورت کی شناخت دیں، اس طرح یہی مرد عورت کی شناخت حاصل کر کے عورت کے حقوق کا بھی حامل ہوگا اور معاذ اللہ! کسی اور مرد سے عورت کی شناخت پر جنسی تعلق بھی قائم کر سکے گا۔ اس ایکٹ کو خواجہ سراؤں کے حقوق کے تناظر میں سامنے لایا گیا ہے، حالانکہ ٹرانس جینڈر کی تعریف اور اصطلاح ہی جدا ہے، خواجہ سرا کے لیے اصطلاح انٹرسیکس استعمال ہوتی ہے۔ اس ایکٹ کے منفی استعمال کا عالم دیکھیے کہ نادرا کے ریکارڈ کے مطابق صرف تین سال کے قلیل عرصے میں تقریباً ۲۸۷۲۳ درخواستیں موصول ہوئیں، جن میں ۱۶۵۳۰ مردوں نے اپنی جنس عورت میں تبدیل کروائی، ۱۲۱۵۴ عورتوں نے اپنی جنس مرد میں تبدیل کروائی اور جن کے لیے قانون بنایا گیا تھا، یعنی جن کی آڑ لی گئی تھی، جن کے تحفظ کا پرچار کیا گیا تھا، ان کی کل ۳۰ درخواستیں موصول ہوئیں۔ ان میں ۲۱ خواجہ سراؤں نے مرد کے طور پر اور ۹ نے عورت کے طور پر حیثیت اختیار کی۔ اس سے اندازہ لگانا ممکن ہے کہ ہمارے معاشرے میں کس تیزی سے نقب لگانے کی کوشش جاری ہے۔

10- جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ اسے فطری اور جینیاتی مسئلہ کہہ کر جواز دینے کی کوشش کر رہے ہیں، پہلے پہل تو ایسے لوگ مغرب میں تھے، لیکن اب اسلامی دنیا میں بھی ان کے ''معصوم'' نمائندے پیدا ہو چکے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل جرمنی کی فریڈرِش ناؤمان اشٹفٹنگ کے تعاون سے جرمن شہر مائنز میں اس موضوع پر ایک سیمینار کا اہتمام ہوا، جس میں نام نہاد اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمد سمیر مرتضیٰ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر مرتضیٰ نے کہا کہ ''قرآن میں ہم جنس پرستی سے متعلق کچھ بھی طے شدہ احکامات موجود نہیں ہیں۔ جب ہم ہم جنس پسندی کی بات کرتے ہیں، تو ہماری گفت گو زیادہ تر قومِ لوط کی کہانی سے جا ملتی ہے، مگر قومِ لوط کی کہانی اصل

میں ہم جنس پسندی کی کہانی نہیں تھی، بلکہ بائی سیکسچوئل اور جنسی تشدد کی کہانی تھی۔ شاید مسلم برادری کو ہم جنس پسندوں سے متعلق اپنی روش کو ازسرِ نو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ہم جنس پسند اللہ، ملائکہ، پیغمبروں، آسمانی کتب اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہے، تو کیا وہ مسلمان نہیں؟ ہمیں اس موضوع پر ضرور بات کرنا چاہیے۔‘‘

ڈاکٹر سمیر نے جس چالاکی سے اسلام کے مسلمہ نقطۂ نظر میں تحریف کی کوشش کے لیے تشکیک کا ارتکاب کیا ہے، اسے ایک ادنیٰ مسلمان بھی بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے صرف قوم لوط علیہ السلام کے تناظر میں ہی نہیں، اس کے علاوہ بھی ہم جنس پرستی پر سزا کا ذکر کیا ہے، نیز احادیث اور فقہ اسلامی کا مسلمہ ذخیرہ اس باب میں مکمل قانون سازی کے ساتھ موجود رہا ہے۔ اور یہ کہنا کہ قومِ لوط کی کہانی جنسی تشدد کی کہانی تھی، واقعہ کا ادھورا تعارف ہے، وہ اس مرتبہ تک جس پراسس سے ہو کر گزرے تھے، اس پورے پراسس پر قرآن مجید نے تنقید کی ہے۔ نیز ان کا باہمی اختلاط تشدد کے بغیر باہمی رضامندی کی بنیاد پر تھا، قرآن کریم نے جہاں ان کے عملِ قبیح کا تعارف کروایا ہے، وہاں کہیں تشدد کی کوئی قید نہیں۔ آخر میں انہوں نے جس سوال کو اٹھایا ہے، یہ جذباتی تلویث (ایموشنلی بلیک میلنگ) اور منطقی مغالطہ ہے جو خدا کے محرمات کو حلال قرار دے، وہ خدا کا مسلم کیسے رہ سکتا ہے؟ ہاں! اگر کوئی اس عملِ قبیح کا نادانستہ مرتکب ہو گیا اور اس کی حرمت کا قائل رہا تو ظاہر ہے اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اسے کوئی بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتا۔

باقی سدومیت کے اثرات سے نکلنا ناممکن نہیں کہ اس کا علاج چھوڑ کر اس میں تلویث گوارا کر لی جائے، بلکہ اس کے اثرات، محرکات اور دواعی سے نکلنا اسلامی نقطۂ نظر سے سو فیصد ممکن ہے، اس کے لیے صوفیاء کرام جو مسلم ماہرینِ نفسیات ہیں کے ہاں ایک مکمل تربیتی نظام موجود ہے۔ اس میں سب سے بنیادی نقطہ یہ ہے کہ سدومی مزاج ومیلان کا اِمالہ کر کے اسے خلافِ جنس یعنی عورت کی طرف پھیرنا ہوتا ہے، اس کے لیے اولین ضرورت صحبتِ صالح اور ماحول کی تبدیلی ہوتی ہے، ایسے افراد کو ایک لمبا عرصہ اگر گندے ماحول سے دور ایک پاکیزہ ماحول میں رکھا جائے تو ان کی ذہنی وقلبی تحریک اور جرثوموں کا توازن بحال ہونے لگتا ہے۔

ایسے افراد کو بھرپور جسمانی مشقت میں ڈالنا بھی مفید ہوتا ہے، یعنی دن بھر غیر معمولی مشقت کے کام

کروانا، سخت ورزش اور کم گوئی و کم خوری کا التزام، نیز تنہائی ختم کر کے صالح جلوت سدومی اثرات کو کم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

روزہ، صحت مند مطالعہ، رقتِ قلبی کے محرکات مثلاً موت اور آخرت کے تذکرے پر مبنی صالح لٹریچر، اہل اللہ کے مواعظ و بیانات اور ذکر و مراقبہ کی مجالس سدومی اثرات کے زوال کے لیے اکسیر ہیں۔ ایسے افراد کی مسلسل نگرانی کرنا ضروری ہوتی ہے۔ بالخصوص ایسے افراد سے اختلاط جن کی طرف میلان ہو سکے، ان سے مصافحہ کرنا، بغل گیر ہونا، مجالست، ساتھ کھڑا ہونا، ان کی طرف دیکھنا اور گفتگو کرنا سدومی اثرات کے خاتمے کے لیے موانع ہیں۔ ان موانع کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہوتا ہے، ورنہ اس کے بغیر علاج ممکن نہیں ہوتا۔ ایک عرصہ اس التزام سے غیر جنس کی طرف میلان صحیح ہو جاتا ہے، جس کے بعد نکاح اس کا دائمی حل ہوتا ہے۔

سدومی اثرات کے اضمحلال کے بغیر ازدواجی زندگی بڑی پیچیدگیوں کا شکار ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسا مرحلہ آجاتا ہے کہ میلانِ صحیح مکمل ختم ہو جاتا ہے اور عورت میں دلچسپی ہی باقی نہیں رہتی، جیسا کہ اہلِ سدوم نے اس کا اقرار کیا۔ اس کے نتیجے میں طلاقیں واقع ہوتی ہیں، گھر اُجڑتے ہیں اور خاندانی دشمنیوں کو وجود ملتا ہے۔ سدومیت زدہ افراد کو ان اثرات سے نکالنے کے لیے تربیتی دورانیے سے گزارنے کے بعد ہی ازدواجی عمل مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ان اثرات کے ساتھ کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے جانبین میں جس توجہ و میلان کی ضرورت ہوتی ہے، وہ قائم نہیں ہو پاتا، بلکہ بسا اوقات مرد میں تشدد کی نفسیات پیدا کر دیتا ہے، جس کے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کو جس ڈگر پر ڈالنے کی کوشش تسلسل کے ساتھ جاری ہے، اس کے خلاف تعلیمی اداروں، تربیتی مراکز، اصلاح و ارشاد کے مختلف فورمز پر ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے، جہاں نئی نسل کو اس کے عواقب و نتائج سے باخبر کیا جا سکے۔ اہلِ اقتدار سے بھی درخواست ہے کہ اس ایکٹ کو واپس لینے اور اس باب میں مغربی آقاؤں کے دباؤ کو مسترد کرنے کا حوصلہ و جرأت پیدا کریں، ورنہ یہ آگ کل آپ کی نسلوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

وما علینا إلا البلاغ

❊❊❊

میاں و بیوی کے اَسباب اور اُن کا حل

مفتی محمد راشد ڈسکوی

ہمارے معاشرتی و عائلی مسائل میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ میاں بیوی کے اختلافات کا ہے، کہیں شوہر کو بیوی سے شکایت ہے تو کہیں بیوی شوہر سے بیزار ہے۔ روز روز کی لڑائی کے سبب نہ صرف خود اِن کی اپنی زندگی تکلیف دہ ہو جاتی ہے، بلکہ اِس کے برے اَثرات اِن کی اولاد پر بھی پڑنے لگتے ہیں، اولاد کے دل میں نہ باپ کا ادب رہتا ہے، نہ ماں کی عزت۔ ان اختلافات کا آغاز آپس کی تلخ کلامی، تو تو، میں میں اور گالی گلوچ ولعن طعن سے ہوتا ہے اور گالم گلوچ اور مار پیٹ کے رستے سے خلع اور طلاق تک جا پہنچتا ہے۔ جس کے نتیجے میں میاں و بیوی دونوں کا تعلق کسی دین دار، باحیا و مہذب خاندان سے ہو تو دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، عورت ماں باپ کے گھر میں جا کر اُن کے لیے یا اُن کی طرف سے اپنے لیے ایک مشقت بھرا پریشانیوں والا رستہ اختیار کر لیتی ہے، جس پر چلتے ہوئے اس کے میکے میں اس کے ماں و باپ کے درمیان یا بھائی بھابھیوں کے درمیان اختلافات و مسائل کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔

کسی بھی دارالافتاء میں جا کر معلوم کر لیا جائے کہ وہاں کس قسم کے مسائل سامنے آتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ سب سے زیادہ پوچھے جانے والے سوالات طلاق و خلع اور فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں، ان اختلافات و مسائل کو حل کرنا ہے تو پہلے ان اختلافات کے اسباب پر غور کرنا ہو گا کہ کون سی ایسی وجوہات ہیں

جن کی وجہ سے یہ حالات بنتے ہیں؟ اسباب ایک نہیں، کئی ہو سکتے ہیں، مثلاً: ہم مزاج نہ ہونا، رہن وسہن اور اسٹیٹس کا مختلف ہونا، (جسے آپ معاشی فرق سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) جوائنٹ فیملی سسٹم، کسی ایک یا دونوں کا اخلاق سیئہ والا ہونا، دینی برابری کا نہ ہونا وغیرہ۔ اِس نا اتفاقی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہیں کر پاتے اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو اپنی نفسانی ضد کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ مرد چاہتا ہے کہ عورت میری نوکرانی کی طرح رہے اور عورت چاہتی ہے کہ مرد میرا غلام بن کر رہے، میرے اِشاروں پر چلے وغیرہ وغیرہ۔ ذرا سوچیے کہ جب میاں بیوی کے درمیان ایسے خیالات پیدا ہوں گے تو پھر زندگی کیسے گزر پائے گی؟!

اختلاف کے حل کا ایک قوی نسخہ

غور کرنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ میاں و بیوی کے اختلاف کیسے ہی کیوں نہ ہوں، وہ چند لمحوں میں حل اور ختم کیے جا سکتے ہیں، وہ ایسے کہ اختلاف چاہے کسی بھی سبب سے پیدا ہوا ہو، اُسے باقی رکھنے والا عنصر ہمیشہ انسان کی اَنا ہوتا ہے، چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو، چاہے عورت کی طرف سے، جانبین میں سے اگر کوئی ایک اپنی اَنانیت کو چند لمحوں کے لیے ختم کر دے اور جھک جائے، معافی مانگ لے، معذرت کر لے، خاموش ہو جائے تو دیکھ لیجیے گا کہ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ لیکن جھگڑے کے موقع پر اَنانیت کے موجود ہوتے ہوئے اختلاف ختم ہو جائے، تو یہ ممکن نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ شیطان اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال و وسوسہ پیدا کرے کہ انانیت ختم کرنے کا تو مطلب یہ ہے کہ تم بیوی کے نیچے لگ جاؤ، رن مرید بن جاؤ، اسے سر پر چڑھا لو، کمینے بن جاؤ، ذلیل ہو جاؤ، اپنی قدر گھٹا لو، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن آپ نے اس کے اِن وسوسوں پر کان نہیں دھرنا، بالکل اہمیت نہیں دینی، ان کے مقتضا پر عمل نہیں کرنا، اگر اس وقت آپ نے ان وساوس سے بچتے ہوئے صلح کر لی، معذرت کر لی تو دیکھ لیجیے گا اس کے بعد جھگڑوں اور اختلافات کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ لڑائی کا ہو جانا ایک فطری امر ہے، جہاں برتن اکٹھے ہوں تو وہ آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ اسے (یعنی لڑائی کو) روک نہیں سکتے، کیوں کہ ہم انسان ہیں اور انسانوں میں لڑائی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن لڑائی کا باقی رہنا، طول پکڑ جانا، سالہا سال تک چلتے رہنا، اس کی وجہ سے معاملہ مار پٹائی، قتل و غارت اور جدائی (یعنی طلاق و خلع) تک پہنچ جانا فطرت نہیں ہے، بلکہ یہ

انسان کے برے اعمال کی کمائی اور اس کے کرتوتوں کی سزا ہے، اگر اپنے اعمال کو درست کرلیا جائے تو یہاں تک کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اعمال کی درستگی کی ابتدا اپنے اندر کی انانیت کے ختم کرنے سے ہوگی۔

اختلاف کی ایک وجہ اوراس کا حل

میاں وبیوی کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف، الگ الگ مزاج پر، پیدا کیا ہے، جس میں وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مرد وعورت کے مزاج کا فرق من جانب اللہ ہے، جس کی طرف حضرت ابوہریرہ ؓ کی ایک حدیث میں اشارہ دیا گیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ“(صحیح البخاري، الرقم:3331)

ترجمہ:”عورتوں کے بارے میں میری نصیحت سن لو کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے بارے میری نصیحت سن لو (کہ ان سے اچھا سلوک کرو)“۔

اس روایت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب مردوں سے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے اختلافات میں شریعت نے مرد کو سمجھایا ہے کہ وہ بڑا ہے، لہٰذا اُسے بڑے پن کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اوراسی حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ مرد میں عقل کا غلبہ ہوتا ہے، جب کہ عورت میں جذبات کا پہلو غالب ہوتا ہے، لہذا! میاں بیوی کی لڑائی میں سمجھنے سمجھانے کے زیادہ امکانات مرد کی طرف میں ہوتے ہیں۔ پس مرد چوں کہ ذمہ دار بھی ہے اوراس میں عورت کی نسبت عقل کا پہلو بھی غالب ہے، لہٰذا اسے اپنی ذمہ داری اور تخلیق شدہ فطرت کا خیال رکھتے ہوئے گھر کو جوڑنے میں عورت کی نسبت زیادہ قربانی دینی پڑتی ہے یا دینی چاہیے۔ انہیں وجوہات اور خوبیوں کی بنا پر طلاق دینے کا حق اور اختیار بھی مرد ہی کو دیا گیا ہے۔

اور اگر مرد یہ عزم کرلے کہ اس نے اپنی بیوی کو ہر صورت میں سیدھا کر کے ہی رہنا ہے، تو اس کا یہ اقدام اور کوشش اسے توڑنے کے مترادف ہے اور اس کو توڑنے کے ایک معنی طلاق بھی ہیں۔

میاں بیوی کے درمیان صلح کا کردار ادا کرنے والے ثالث کو بھی چاہیے کہ میاں بیوی کے اختلافات کو حل کرنے کے لیے مرد کو زیادہ سمجھائے اور سمجھوتہ کرنے کے لیے قائل کرے، کیوں کہ عورت کو اللہ تعالی نے فطرتاً کمزور بنایا ہے، جیسا کہ اس روایت کے الفاظ ہیں۔

اس روایت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو طعن و تشنیع کے لیے اس روایت کو دلیل بنائے کہ تم تو ہو ہی ٹیڑھی، تم سیدھی نہیں ہو سکتی، وغیرہ وغیرہ، بلکہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سے مقصود یہ ہے کہ چوں کہ عورت کو اللہ نے ضعیف اور کمزور بنایا ہے، لہذا اُس کی اِس فطری کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ساتھ حکمت وبصیرت کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث مبارکہ میں مرد وعورت کے مختلف المزاج ہونے کی خبر دی ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کے ہر حصے سے ایک مٹھی مٹی لے کر اس سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، چنانچہ:

"مِنهُمُ الأَحمَرُ وَالأَبيَضُ وَالأَسوَدُ، وَبَينَ ذٰلِکَ، وَالسَّهلُ وَالحَزنُ وَالخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ" (سنن الترمذي، الرقم:2955)

ترجمہ: "ان کی اولاد میں مٹی کی مناسبت سے کوئی لال، کوئی سفید، کالا اور ان کے درمیان مختلف رنگوں کے اور نرم مزاج وگرم مزاج، بدباطن وپاک طینت لوگ پیدا ہوئے"۔

خلاصہ یہ کہ انسان میں کچھ کمزوریاں تو موجود ہیں اور وہ رہیں گی، اُنہیں ختم کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ ان کمزوریوں میں دو چیزیں مطلوب ہیں: ایک تو یہ کہ ہر فریق اپنی کمزوری کو دور کرنے کی ممکن بھر کوشش کرے، اور دوسرا یہ کہ فریقین ایک دوسرے کی ایسی کمزوریوں کے بارے میں برداشت اور تحمل کا رویہ پیدا کریں، اُنہیں نظر انداز کریں، ان سے چشم پوشی کرلیں، ایسا بننے کی کوشش کی جائے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، تب تو کام چل سکے گا، ورنہ نہیں۔ (ایسی سوچ اور اقدام اگرچہ بہت آسان نہیں ہے، لیکن ناممکن بھی نہیں ہے، اگر کوئی عزم کرلے تو یقیناً اللہ کی مدد ونصرت بھی اس کا مقدر بنے گی،) یہی وہ بات ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے حوالے سے بیان کی ہے کہ نہ تو اِسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر میں

پڑو اور نہ ہی اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو، ورنہ دونوں میں ساتھ رہنا مشکل، بلکہ ناممکن ہو جائے گا اور نوبت علیحدگی تک جا پہنچے گی۔ مثلاً معمولات زندگی میں جھگڑے کی ایک وجہ مرد کا باہر کی کاروباری زندگی سے گھر میں دیر سے پہنچنا ہے، اس پر بیویاں سیخ پا ہوتی ہیں اور اسی طرح جب کبھی میاں وبیوی نے گھر سے باہر کہیں سفر پر یا کسی تقریب وغیرہ پر جانا ہو تو تیاری میں بیویاں بہت وقت لگا دیتی ہیں، حتی کہ انہیں بروقت گھر سے باہر نکالنا ایک مشکل ترین کام بن جاتا ہے، ایسے موقع پر مرد کو بہت غصہ آتا ہے، نتیجہ اسی خوشی کے وقت میں آپس کی چپقلش کی صورت میں نکلتا ہے، اب اس معاملے کو سلجھانا اپنے بس کی بات ہے، مقررہ وقت پر شوہر گھر آنے کی بھرپور کوشش کرے، اور اگر پھر بھی کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہو جائے تو بیوی برداشت کرے اور نظر انداز کرے کہ باہر کی زندگی میں تاخیر کے اسباب بے شمار پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اسی طرح گھر سے باہر نکلنے کے لیے بیوی کو جو وقت بتایا گیا تھا وہ عین اسی وقت پر بالکلیہ تیار رہے، اپنی تیاری کی ابتدا کرے ہی اس طرح کہ بروقت نکلنا ممکن ہو سکے اور اگر اس میں کچھ تاخیر ہو بھی جائے تو پھر ایسی صورت میں شوہر تحمل کا مظاہرہ کرلے اور اپنے آپ کو سمجھالے کہ ایسا تو ہونا ہی ہوتا ہے، ہاں عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ مطلوبہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے کا وقت بیوی کو بتا دیا جاتا کہ اس وقت نکلنا ہوگا۔ یعنی فریقین کو ممکن حد تک اپنی اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

اختلاف کی ایک اور وجہ اور اس کا حل

میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا ایک سبب شیطان لعین بھی ہوتا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو عالم میں فساد کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ چناں چہ اس کے لشکریوں میں سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ برپا کرنے والا ہو، پھر اس کے بھیجے ہوئے چیلوں میں سے ایک چیلہ آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا (یعنی فلاں سے چوری کرائی، فلاں کو شراب پلوائی وغیرہ وغیرہ) تو شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ بھی نہیں کیا (یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، جو قابل فخر ہو)۔ پھر کوئی چیلہ آکر کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو اس حال میں چھوڑا کہ اُس کے اور اُس کی بیوی کے مابین جدائی ڈلوادی تو شیطان (خوش ہو کر) اُس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور اُسے گلے لگاتا ہے کہ ہاں! تو نے بڑا کام کیا ہے“۔ (صحیح مسلم، الرقم:7106)

تو میاں بیوی کے درمیان اختلافات، علیحدگی، یا ان کے درمیان پھوٹ ڈلوانا ابلیس کے نزدیک اتنا عظیم کام ہے کہ ایسے چیلے اس کے مقربین میں شمار ہوتے ہیں جو میاں وبیوی میں طلاق کا باعث بن جائیں۔

اس لیے میاں بیوی اچھی طرح جان لیں کہ جب بھی ان کے درمیان کسی چھوٹی سی بات پر بڑا جھگڑا ہو جائے تو اس کا سبب شیطان ہوگا، جب کبھی اس قسم کا اظہار ہو تو حالات معمول پر لانے کا طریقہ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں یا ان میں جو غصہ کرنے والا ہے وہ خود تعوذ پڑھے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے، سورہ الفلق اور سورہ الناس پڑھے اور اگر یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہت بہتر ہو جائے گا:

"أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونَ"

ترجمہ: "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مکمل ہونے والے کلمات کے ذریعے، اس کے غضب سے، اس کی سزا سے، اس کے برے بندوں سے اور شیاطین کے کچوکوں سے اور میں اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں"۔ اور اگر وہ خود پڑھنے کی کیفیت میں نہ ہو تو کوئی اور بھی یہ اوراد پڑھ کر پھونک مار سکتا ہے۔ شیطان کی طرف سے غصے کا ایک حل یہ بھی ہے کہ وہ وضو کر لے۔

اختلافات ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں وبیوی پہلے اپنے درمیان سے تیسرے دشمن کو بھگائیں، یعنی شیطان کو، اس کی موجودگی میں میاں وبیوی کے اختلافات کا حل ہونا بہت مشکل ہے۔ اور اس کو بھگانے کا طریقہ یہی ہے کہ صبح وشام کے اذکار اور تعوذات کا اہتمام کیا جائے۔ دوسری بات شیطان ملعون کو گھر میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے، وہ اس طرح کہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے گھر میں داخل ہونے کی مسنون دعا پڑھ لی جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر کر لیا جائے، مثلاً: بسم اللہ پڑھ کر ہی گھر میں داخل ہو جائیں گے تو شیطان گھر میں داخل نہ ہو سکے گا، بصورت دیگر وہ بھی اس گھر میں رہتے ہوئے فتنے وفسادات اور گناہ ومنکرات کا ذریعہ بنتا رہے گا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام لے لے تو شیاطین آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اس گھر میں تمہارے لیے رات گزارنے اور کھانا کھانے کی کوئی گنجائش نہیں

ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت یا کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیاطین کہتے ہیں کہ اب تمہارے لیے یہ گنجائش ہے کہ تم اس گھر میں رات گزار سکو اور کھانا کھا سکو۔ (صحیح مسلم)

گھر میں داخل ہونے کا ذکر گھر میں داخل ہونے والی دعا ہی ہے، حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو کہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسأَلُکَ خَيرَ الْمَوْلَجِ وَخَيرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللهِ وَلَجنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا"،

"اے اللہ! ہم تجھ سے اندر جانے اور گھر سے باہر آنے کی بہتری مانگتے ہیں، ہم اللہ کا نام لے کر اندر جاتے ہیں اور اللہ ہی کا نام لے کر باہر نکلتے ہیں اور اللہ ہی پر جو ہمارا رب ہے، بھروسہ کرتے ہیں، پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے"۔ (سنن أبي داود، الرقم: 5096)

ہمارے معاشرے میں اختلافات اور جھگڑے کبھی تو بچوں کے درمیان ہوتے ہیں اور کبھی بچوں کی وجہ سے بڑوں کے درمیان ہوتے ہیں، پھر بڑوں کے درمیان پیدا ہونے والی رنجشیں اور جھگڑے کئی وجوہات کی بنا پر ہوتے ہیں، مثلا: مشترکہ خاندانی نظام، (جوائنٹ فیملی سسٹم)۔ ایک دوسرے سے بہت زیادہ توقعات باندھ لینا، آپس کی سوچوں کا فرق، خاندانی و معاشرتی رسوم ورواج کا فرق، آپس میں طے پانے والے معاملات کا درست طریقے سے پورا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

نیز! گھریلو جھگڑوں میں کبھی یہ جھگڑے بہن بھائیوں کے درمیان ہوتے ہیں، کبھی ماں باپ اور اولاد کے درمیان ہوتے ہیں، کبھی ساس کی طرف سے جھگڑے اٹھتے ہیں، کبھی نندوں کی طرف سے، تو کبھی بہو کی طرف سے اور اسی طرح شوہر کی طرف سے اور کبھی بیوی کی طرف سے۔

اگر ہم شریعت کے احکامات پر عمل کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون زندگی کو حرز جان بنالیں گے، تو یہ تمام جھگڑے اور فسادات ان شاء اللہ ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

***

گھر داری سیکھنا کیوں ضروری ہے

(قسط نمبر 9)

مفتی منیر احمد صاحب استاذ الحدیث
جامع معہد العلوم الاسلامیہ کراچی

" کامیاب گھر داری" مولانا مفتی منیر احمد استاذ الحدیث جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ و فاضل جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی عمدہ تصنیف ہے۔اس کتاب میں مولانا نے امور خانہ داری کو سلیقے اور نظم کے ساتھ انجام دینے کے اصول نہایت عمدگی سے بیان کیے ہیں۔اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون خانہ کے لیے بہت ضروری ہے۔ادارے نے عمومی استفادے کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ کتاب کو سلسلہ وار شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی پانچویں قسط شائع کی جا رہی ہے۔ ادارہ

آٹھواں اصول: مہمان نوازی سیکھنا

☐ مثلاً: لہسن، ادرک کا پیسٹ بنا کر آئس ٹرے میں فریز کر لیں۔ جب جم جائے تب چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پلاسٹک کی تھیلی میں فریز کر لیں۔اسی طرح پیاز تل کر پیس کر اس کو بھی ٹرے میں جما کر حلوے کی گٹی کی طرح کاٹ کر تھیلی میں فریز کر لیں۔اس کے علاوہ چکن کی بوٹیاں بنا کر دھو کر ٹرے میں الگ الگ بوٹیاں جما لیں۔ جب فریز ہو جائیں تو الگ الگ بوٹی کو پلاسٹک کے ڈبوں میں رکھ لیں آلو اور قیمے کے سموسے بھی تھوڑے فریز رکھیں۔ کباب کوفتے بنا کر فریز رکھیں میٹھی ٹکیاں بنا کر وہ بھی ٹرے میں فریز کر لیں۔اور جب جم جائیں تو پلاسٹک کے ڈبے میں رکھ لیں مہمانوں کے اچانک آنے پر تل کر چائے کے ساتھ پیش کریں۔تازی مزے دار میٹھی ٹکیاں مہمان کو بہت پسند آتی ہیں۔اس طرح اچانک کھانا بنانا یا چائے کے ساتھ لوازمات تیار کر کے پیش کرنا جھٹ پٹ ہو جاتا ہے۔گھر میں مختلف اچار، چینی، مصالحے تیار رکھنے سے بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

☐ مہینہ کا آخری ہفتہ بڑا گراں گزرتا ہے اگر ایسے میں مہمان آجائے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔دماغ کی بندگرہیں کھولیں ،کچن میں موجود خورد ونوش کا جائزہ لیں۔عموما ایسے وقت میں خواتین مشکلات کا شکار ہوجاتی ہیں کہ آلو دال کے سوا کچھ نہیں مہمانوں کی تواضع کیسے ہو؟؟اگر گھر میں صرف آلو اور دال موجود ہو تو بھی مہمانوں کا اچھی طرح اکرام ہوسکتا ہے کھانے کا وقت ہو آلو کی بریانی بنالیں آلو قورمہ یا دال کی بریانی ،دال فرائی آلو اور دال کے کباب ۔۔ کچھ بھی بنالیں۔شام کی چائے کے وقت آلو کے کٹلس کباب ،چاٹ ،فرنچ فرائز یا دال کی پھلکیاں بنالیں جو اس وقت آسانی سے بن جائیں۔بس ذرا عقل استعمال کرنی ہوگی۔شامی کباب بچوں بڑوں کی پسندیدہ ڈش ہے مگر مہنگائی اور کم آمدنی کی وجہ سے ڈش فراوانی سے نہیں بن پاتی اس کے لئے آپ لوکی کے شامی کباب بناسکتی ہیں۔ذائقے میں بالکل گوشت کے شامی کباب جیسے پکانے کا طریقہ و اجزاء بھی وہی صرف گوشت کی جگہ لوکی ڈالنی ہے۔

اجزاء: لوکی ایک پاؤ (موٹی بیج والی نہ ہو اور نرم ہو) چنے کی دال 2 پیالی ،ثابت لال مرچ اور نمک حسب ذائقہ ،پسا گرم مصالحہ 2 چائے کے چمچ ،پسا دھنیا آدھا کھانے کا چمچ ،لہسن کے جوے 4 عدد ،ہری مرچ ،ہرا دھنیا ،پودینہ ،تیل ،انڈا حسب ضرورت۔

ترکیب: لوکی دھو کر چھلکے سمیت کاٹ لیں اس میں دال ،ثابت لال مرچ ،پسا لہسن کے جوے ،نمک ،پسا گرم مصالحہ شامل کرکے ابالیں ،پھر ٹھنڈا کرکے پیس لیں ،ابالتے وقت پانی کی مقدار کم رکھیں کیونکہ لوکی میں پانی کافی ہوتا ہے۔پیسنے کے بعد پھر بھی یہ آپ کو پتلا محسوس ہو تو کڑاہی میں ہلکا سا تیل ڈال کر اس میں پسا ہوا شامی کباب شامل کرکے دھیمی آگ پر مسلسل اسے چلاتی رہیں پانی خشک ہوجائے تو تھوڑا ٹھنڈا کر کے اس میں کٹا ہوا ہرا دھنیا ،ہری مرچ ،پودینہ مکس کر کے پھینٹے ہوئے انڈے میں لپیٹ کر شامی کباب ہلکا فرائی کرلیں ،چپاتی پراٹھے کے ساتھ کھائیں یا اس کا برگر بنائیں ذائقہ بھرپور اور مہمانوں کی تواضع بھی خوب۔

مہمان کو پیش کرنا بھی ایک ہنر ہے۔

☐ کھانوں کی سجاوٹ اور ان کو بہترین طریقے سے پیش کرنا بھی دعوت کا ایک اہم جزو ہے۔
کیونکہ مہمان ذائقے سے پہلے کھانے کی شکل اور اس کو پیش کرنے کا سلیقہ دیکھتے ہیں۔اگر پیشکش کا انداز اچھا نہ ہوا تو اچھا پکا کھانا بھی توجہ حاصل نہیں کرسکتا۔اچھی پریزینٹیشن کی ٹپس درج ذیل ہیں۔

1. ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کریں۔

2. ہر ڈش کو اس کے متعلقہ برتنوں میں خوبصورتی سے پیش کریں۔

3. آپ تازہ سلاد کی الگ سے پلیٹ بنانے کی بجائے ایک ٹرے میں ایک طرف روسٹ رکھ کر دوسری سائیڈ پر خوبصورتی سے کٹا تازہ سلاد سجا سکتی ہیں۔

4. اسی طرح کبابوں کو بھی پلیٹ میں سلاد کے پتے بچھا کر ان پر رکھا جا سکتا ہے۔

5. کڑاہی کو ڈونگے میں نکالنے کے بعد ادرک ہرا دھنیا اور ہری مرچ سے گارنش کریں۔

6. اسی طرح اچھے دستر خوان کا انتخاب بھی ضروری ہے۔ دستر خوان صاف ستھرا اور ہلکے رنگ کا ہونا چاہیے۔ زیادہ تر سفید، ہلکا نیلا اور ہلکا سرمئی رنگ اچھا تاثر دیتے ہیں۔

7. دستر خوان پر ٹشو نمک دانی، کیچپ، پانی کا جگ اور گلاس بھی موجود ہونے چاہییں۔

8. چاول، سالن اور کھانے کے چمچوں کو الگ پلیٹ میں رکھیں۔

9. آپ چاہیں تازہ پھلوں کا گلدستہ بھی دستر خوان کے درمیان میں سجا سکتی ہیں۔

10. زیادہ پھول دار اور رنگین قسم کے برتن طبیعت پر بوجھ بنتے ہیں۔ اس لئے کوشش کریں برتن سادہ اور سفید یا ہلکے رنگوں کے ہوں۔

☐ چائے مہمانوں کی تواضع کا ایک لازمی حصہ ہے۔ سلیقہ اور نفاست سے چائے بنانا اور پیش کرنا بھی ایک ہنر ہے۔ ٹرے میں چائے کا گرنا عورت کے پھوہڑ پن کی علامت ہے۔ کپ یا مگ میں چائے نکالتے وقت یہ دھیان رہے کہ وہ منہ تک نہ بھرے ہوں۔ اس طرح چائے کی ٹرے اٹھاتے وقت وہ چھلک کر ٹے یا طشتری پر نہیں گرے گی اور پیالی بھی صاف ستھری رہے گی۔

☐ یہ ضروری نہیں کہ مہمانوں کی تواضع ہمیشہ شاہانہ انداز میں کی جائے۔ سادہ کھانوں کو بھی چٹنی، اچار، سلاد، رائتہ پاپڑ یا دیگر چٹ پٹے چٹخارے دار لوازمات سے مزین کر کے خوش رنگ اور خوش ذائقہ کیا جا سکتا ہے۔ اصل بات میزبان کا اخلاص ہے۔

نواں اصول

کفایت شعاری اپنائیں

☐ گھرداری میں سب سے اہم پہلو کفایت شعاری ہے۔ کفایت شعاری سے گھر کو چلانے والی

خواتین سے ان کے شوہر بہت خوش رہتے ہیں، کفایت شعاری کے یوں تو کئی پہلو ہیں، مگر ہم جس جانب توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ ہے۔کھانے میں بچت۔

چند ایسی ترکیبیں بتانے لگے ہیں جن پر عمل کر کے آپ نہ صرف اپنا پیسہ بچا سکتی ہیں بلکہ عموماً گھروں میں رزق کی جو ناقدری ہوتی ہے اس سے بھی بچا جاسکے گا۔جن گھروں میں بچے ہوں وہاں ایک مسئلہ اکثر رہتا ہے وہ یہ کہ اگر دال پکی ہے تو ایک یا دو بچے اسے پسند نہیں کرتے۔ ساگ بنایا تو کسی دوسرے بچے کو پسند نہیں آیا، یعنی مختلف کھانے گھر کے کسی بچے کی پسند اور کسی کی ناپسند ہوتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دال بچ جاتی ہے تو کبھی قیمہ۔ پھر بچی ہوئی چیز فریج میں رکھ دی جاتی ہے، وہاں سے خراب ہونے پر پھینک دی جاتی ہے یا چھت پر پرندوں کو ڈال دی جاتی ہے۔اس کھانے کو بچایا بھی جاسکتا ہے اور کھلایا بھی جاسکتا ہے۔

بچی ہوئی روٹیاں:

اگر رات کے کھانے کے بعد روٹیاں بچ گئی ہیں تو انہیں روٹی دان میں نہ چھوڑیں۔ خواہ ایک ہی روٹی کیوں نہ ہو اسے ایک صاف تھیلی میں رکھ کر فریزر میں رکھ دیجئے۔ پھر جب ضرورت ہو نکال کر گرم کیجئے اور استعمال میں لے آیئے اور اگر کوئی بھی اس باسی روٹی کو کھانے کے لئے تیار نہیں تو بھی فکر نہ کیجئے، انہیں فریزر سے نکالیے۔ نرم ہونے پر نیم گرم پانی میں بھگو دیجئے، جب روٹیاں پانی جذب کرلیں تو صاف ہاتھ سے اسے مسل لیجئے اور گوندھے ہوئے آٹے کی طرح یک جان کر لیجئے۔ پھر اس میں روٹی تعداد سے دوگنا آٹا یا میدا ملایئے، ہلکا نمک ڈالیے، پھر خوب گوندھ لیجئے، اس میں تھوڑا سا زیرہ بھی ہاتھ سے رگڑ کر ڈال دیجئے اور ذرا سا گھی ڈال کر چکنا کر لیجئے اور بنایئے اب اس کے پراٹھے اور سب کو کھلایئے۔

بچی ہوئی ڈبل روٹیاں:

اسی طرح گھر میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے بچ جاتے ہیں۔ انہیں پھپھوندی لگا کر پھینکنے کی بجائے فریج میں رکھیئے اور خشک رکھیے اور اگر توتوس زیادہ ہوں تو دودھ اور انڈا ملا کر ذرا سی چینی ڈالیے اور اس میں توس بھگو کر ہلکا سا گھی ڈال کر تل لیجئے۔ دوسرا حل یہ ہے کہ چار پانچ توس میں اتنا دودھ ڈالیے کہ توس بھیگ جائیں۔ اب اسے مسل کر آٹے کی طرح گوندھیے پھر اس میں میدا آٹا ملا کر پراٹھوں کے آٹے کی طرح بنا لیجئے اور پراٹھے بنا کر کھایئے اور کھلایئے نرم و ملائم مزیدار پراٹھے بنیں گے۔

بچی ہوئی دال:

اسی طرح اکثر گھر میں دال بچ جاتی ہے دال کو ضائع نہ کیجئے۔ اگر تھوڑی سی ہے تو کسی ڈبے میں ڈال کر فریز رمیں رکھ دیں، پھر جب کبھی دوبارہ دال بچ جائے، پہلی دال کو بھی نکال لیجئے اور گرم کر کے تمام دالوں میں آٹا ملایئے اور پر ٹھے بنا لیجئے اور ان دال کے پراٹھوں کے ساتھ تو گرمیوں میں دہی کا رائتہ ہی کافی ہے اور اگر سردیاں ہیں تو آلو کی ہلکی پھلکی ترکاری کے ساتھ بہت مزہ دیتے ہیں۔ اور آلو کی ترکاری تو سب ہی بنانا جانتی ہیں۔

بچی ہوئی سبزیاں:

اسی طرح گھر میں سبزیاں بھی بچ جاتی ہیں۔ سبزی کوئی ایک ہو یا متعدد، سب کو ملایئے، آٹا ڈالیے اور بنایئے پراٹھے ان سبزیوں کے پراٹھوں کے ساتھ رائتہ یا مونگ اور مسور کی دال ملا کر پکائیں اور پراٹھوں سے کھائیں۔

بچے ہوئے چاول:

جو چاول بچ جائیں اس کے لئے بیسن، تھوڑی سی پیاز باریک کاٹ کر، ثابت دھنیا ذرا سا کوٹ کر، سفید زیرہ حسب پسند لال یا ہری مرچیں اور نمک حسب ضرورت ملا کر بیسن تیار کریں، اسی بیسن کو پکوڑوں کی نسبت پتلا رکھیں، اس میں بچے ہوئے چاول ملا دیں۔ فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال لیں اور کسی گہرے چمچ سے بیسن والے چاول ڈال دیں اور پھیلا دیں۔ خیال رہے چولہے کی آنچ اتنی رکھیں کہ یہ آمیزہ جلنے نہ پائے اور نہ ہی کچا رہے۔ اب تیار کر لیجئے، ہرا دھنیا، ہری مرچ، پودینہ اور ٹماٹر وغیرہ پیس کر مزیدار سی چٹنی اور کھایئے پراٹھے۔

بچی ہوئی مختلف اشیاء:

اگر بیک وقت دالیں اور سبزیاں بچی ہوں اور توس بھی پڑے ہوں تو سب ملا کر آٹا ڈالیے اور پر ٹھے بنایئے۔ اسی طرح آپ کو اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی کمائی ضایع نہیں کرنا پڑے گی، رزق کی بے حرمتی اور ناشکری سے بھی بچ جائیں گے، کیونکہ کسی بھی نعمت کو ضایع کرنا دراصل اللہ پاک کی ناشکری ہے۔

ہر چیز کھانے کی عادت ڈالیں

بچوں کے ذائقے خود بنائیں۔ بچپن سے ہر چیز کھانے کا عادی بنائیں تا کہ میں تو یہ نہیں کھاتا / کھاتی والا ناشکرا جملہ زبان پر کبھی نہ آئے۔

***

دیوبند کے چمکتے ستارے

تحریر: محمد مومن فہیم
متعلم جامعہ دارالتقوی لاہور

"دیوبند کے چمکتے ستارے" کے عنوان سے اکابر علماء دیوبند کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے جس میں اکابرین کا تعارف ، دینی خدمات اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا جائے گا تاکہ نسل نو کو دیوبند کے ان چمکتے ستاروں سے متعارف کرایا جاسکے۔ اس سلسلے کا پہلا انتخاب دیوبند کے سرخیل اور اکابر علمائے دیوبند کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

انیسویں صدی عیسوی میں تاریخ اسلام جن نامور شخصیات پر فخر کرسکتی ہے انہی میں سے ایک شیخ المشائخ، پیران پیر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی کاوشوں کی بدولت ایک ایسی جماعت کا قیام ہوا جس نے ایک طرف دینی علم کو فروغ دینے اور ساتھ ہی ساتھ انبیاء علیہم السلام کی میراث کی حفاظت کرنے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کردیا اور دوسری طرف سیاست اور جہاد کے میدان میں اپنی مثال آپ قائم کر کے دیوبند کی بنیاد رکھی۔

شیخ المشائخ، قطب الأقطاب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ننھیال نانوتہ شریف میں دوشنبہ کے دن ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد نے امداد حسین نام رکھا لیکن شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداداللہ تجویز فرمایا اور اسی نام سے شہرت ملی۔ نیز آپ کا تاریخی نام ظفر احمد تھا۔ والدہ ماجدہ، جو کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، حاجی صاحبؒ کے بچپن ہی میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ والدہ کی وصیت کے موافق والد صاحب نے خوب لاڈ اٹھائے یہاں تک کہ ابتدائی تعلیم سے بھی محروم رہے۔ آپ کے تین بھائی اور ایک بہن تھے۔ بعدازاں، حضرت حاجی صاحب کو ازخود ہی تعلیم کی طرف رغبت ہوئی اور اپنے شوق اور لگن سے قران مجید

حفظ کیا۔ شمائم امدادیہ میں لکھا ہے: "سولہ سال کے سن میں وطن سے ہمراہی حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اسی زمانے میں چند مختصرات تحصیل فرمائے اور کچھ صرف ونحو اساتذۂ عصر کی خدمت میں حاصل کی اور مولانا رحمت علی تھانویؒ سے تکمیل الایمان شیخ عبدالحق دہلوی کی قرآت اخذ فرمائی۔ آپ نے مثنوی مولانا روم شیخ عبدالرزاقؒ سے پڑھی جس سے آپ کو بے حد لگاؤ تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے باقاعدہ طور پر تعلیم تو کم حاصل کی لیکن اپنے علم پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ علم بھی عطا کر دیا جس کی طرف آپ ﷺ کے فرمان من عمل بما علم علمه الله ما لم يعلم' میں اشارہ ہے۔ بڑے بڑے علماء آ کر آپ سے اپنی اصلاح کرواتے۔ حضرت شیخ المشائخ اور مرشدوں کے مرشد جیسے القابات سے جانے جاتے ہیں۔ مولانا قاسم نانوتویؒ سے کسی نے پوچھا: کیا حاجی صاحب عالم بھی تھے؟ تو فرمایا: "عالم کیا حاجی صاحب تو عالم گر تھے۔"

حضرت حاجی صاحبؒ سیرت کے بھی بہت نیک تھے۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تو شخصیت کا ایک حصہ تھی۔ اتباع سنت مزاج بن گیا تھا اور خلوت نشینی محبوب تھی۔ حضرت کی عاجزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود کمالات ظاہری و باطنی کے مریدین کو فرماتے تھے "میرے پاس کچھ نہیں، البتہ خدا کی ذات سے امید ہے کہ تم لوگوں کے توسل سے میری بھی نجات ہو جائے گی"۔

حضرت حاجی صاحب اول مولانا نصیر الدین دہلوی نقشبندیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے لیکن بعد میں ایک خواب نے حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر پہنچا دیا۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مجلس آراستہ ہے اور حاجی صاحب بھی حاضر ہونا چاہتے ہیں لیکن ادب کی وجہ سے قدم ہیں کہ آگے نہیں بڑھ پا رہے۔ اچانک آپ کے جد امجد حافظ بلاقی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ تھام کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دے دیا اور آپ ﷺ نے حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے حوالے کر دیا۔ حاجی صاحب کے شیخ، حضرت میاں جیؒ تعلق مع اللہ، اعمال حسنہ اور کردار باکمال کی وجہ سے اُسلاف کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ آپ کے بارعب ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حاجی صاحب نے آپ کے لیے منظوم کلام لکھا لیکن اتنی جرات و ہمت نہ کر سکے کہ اپنے شیخ کے سامنے پیش کریں۔ لوگوں کی نگاہ میں آپ کا اتنا احترام تھا کہ جب حضرت میاں جیؒ بازار سے گزرتے تو سارے دکاندار تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ علاوہ ازیں، زہد وورع کا یہ عالم تھا کہ تیس برس میں کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی۔ بقول مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ "آپ کے زمانے میں ہندوستان کا دنیاوی پایا تخت دہلی تھا اور

روحانی پایا تخت لوہاری تھا۔" (جہاں حضرت میاں جی مقیم تھے)۔ نیز مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی یہ کہہ اٹھے کہ" جو کیفیت حضرت منصور کو چند منٹ طاری رہی تھی اور وہ برداشت نہ کر سکے تھے اور اُنا الحق کا نعرہ لگا دیا تھا وہی کیفیت حضرت میاں جیؒ کو برابر تیس برس حاصل رہی لیکن شکایت نہ کی۔ حاصل یہ کہ حاجی صاحب کئی سال تک میاں جیؒ کی صحبت میں رہے اور راہ سلوک طے کر کے خلافت کا خرقہ حاصل کر لیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لیے علمائے دیوبند اور بزرگانِ ملت نے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ اس وقت مسلمانانِ ہند انگریزوں کی غلامی کرنے پر مجبور تھے۔ انگریزی مشنریاں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی محنت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔ مساجد میں نماز پڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ اسکولوں اور کالجوں میں مدرسین عموماً پادری ہوتے تھے اور تحریف شدہ انجیل کا درس دیتے تھے۔ بے بس مسلمانوں کا ابلتا ہوا غصہ میرٹھ کے ہنگامے میں پوری طرح ابل کر باہر آ گیا۔ سوانح قاسمی میں ہے:

"اب وہ کون سی چیز رہ گئی تھی جو ان بزرگوں کے ارادے میں حرکت پیدا نہ کرتی اور میدان میں آنے سے روکتی جو اس سلسلے کو بہت پہلے سے بچشم بصیرت و عبرت دیکھ رہے تھے۔" (صفحہ ۱۱۲)

پھر ایک اور افسوسناک واقعے نے تہلکہ مچا دیا۔ تھانہ بھون کے رئیس، قاضی عنایت علی کے بھائی قاضی عبدالرحیم ایک ہاتھی خریدنے سہارنپور آئے تو بغیر کسی وجہ کے نہ صرف ان کو گرفتار کر لیا گیا بلکہ پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی صاحبؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامنؒ اور مولانا فتح محمد تھانویؒ جامع مجاہدین تھے اور فضائل و ترغیب سے مجاہدین کے جذبات ابھارتے رہتے تھے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ تو امیر عسکر بھی تھے۔ اس واقعے کے متصل بعد علمائے دیوبند کی قیادت میں مسلمانوں نے انگریزی فوج کے اڈہ شاملی پر حملہ کیا اور ہمت و شجاعت اور عزم و استقلال کی ایسی نظیر پیش کر دی جو تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ اسی معرکے میں حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے جام شہادت نوش کر کے خون شہیداں میں اپنا نام لکھوایا۔ انگریزی فوج نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی گرفتار کر لیا اور مولانا قاسم نانوتویؒ کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ مجبوراً حالات کے پیش نظر باقی حضرات کو روپوش ہونا پڑا جن میں حاجی صاحب بھی شامل تھے۔ بالآخر حضرت حاجی صاحب ہجرت کر کے کعبۃ اللہ کی طرف چل دیے۔

حاجی صاحب کو اس سے قبل ۱۸۴۶ء میں حج کی سعادت عظمیٰ نصیب ہو چکی تھی جس کا سبب یہ بنا تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو طلب فرما رہے ہیں۔ اب آپ کا قیام محلہ حارۃ الباب میں تھا اور ادھر نہر زبیدہ میں پانی کی بڑی قلت تھی۔ اس وقت پانی کے دو مشکیں ایک روپے کی ملا کرتی تھیں۔ آپ نے ان

مایوس کن حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔حضرت کے آنے سے لوگوں کو فکر ہوئی اور نہر کا پانی صاف کروایا۔حضرت حاجی صاحب مکہ میں اکتالیس سال مقیم رہے اور اس دوران مریدوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح فرماتے رہے۔تمام سلاسل کے مشائخ میں آپ کو ایک نمایاں حیثیت و مرتبہ حاصل تھا جو کسی سے مخفی نہ تھا۔آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ضیاء القلوب (فن تصوف میں کتاب) اور مثنوی شریف کا درس باقاعدگی سے دیتے رہے۔

حضرت حاجی صاحب کی مختلف تصانیف بھی ہیں جن میں مثنوی مولانا روم، غذائے روح، جہاد اکبر، مثنوی تحفۃ العشاق، دردنامہ غمناک، ارشاد مرشد، ضیاء القلوب، وحدت الوجود، فیصلۂ ہفت مسئلہ، گلزار معرفت، مرقومات امدادیہ اور مکتوبات امدادیہ اور ان کے علاوہ دیگر شامل ہیں۔حضرت حاجی صاحب "غذائے روح" میں فرماتے ہیں:

عاشق حق ہو کے دیکھے غیر کو
کعبہ میں چاہے بنانا دیر کو
غیر کو نظروں سے تو اپنی نکال
چشم دل سے دیکھ پھر حق کا جمال
جو سوا حق کے ہے دے سب کو جلا
ایک دلبر سے تو دل اپنا لگا

حضرت حاجی صاحب کے مریدین میں بڑے بڑے اکابر جن میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی رحمھم اللہ علیھم اور ان کے علاوہ دیگر شامل تھے۔

آخر وہ وقت آگیا جو ہر ذی روح کے لیے ازل سے مقدر ہے۔آخری عمر میں ضعف میں بھی انتہائی اضافہ ہوگیا اور جمادی الأخری ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء کو چہارشنبہ کے روز فجر کی اذان کے وقت چوراسی سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے اور جنت المعلی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

اللہ تعالی ہم سب کو حاجی صاحب اور تمام اکابر کی قدر کرنے اور ان کی حیات جاوداں سے سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

***

بٹ کوائن بطور پاکستان کی نئی کرنسی: نتائج وتحفظات

تحریر وتخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

تصور میں فرض کریں کہ پاکستان کے ذرائع ابلاغ سے یہ خبریں نشر کی جاتی ہیں۔ ”گزشتہ رات بارہ بجے ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن سے ایک اعلان گونجا کے پاکستان کو حقیقی معاشی آزادی مل گئی ہے یعنی پاکستان عالمی معاشی اداروں جیسے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور امریکہ کی غلامی سے نجات کا اعلان کرتا ہے اور بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کو بطور لیگل ٹینڈر اختیار کرتا ہے۔ اس تناظر میں حکومتِ پاکستان، اسٹیٹ بینک آف پاکستان، پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ کارپوریشن اور دیگر متعلقہ معاشی پالیسی اور ریگولیٹری اداروں کے کردار کو محدود کرتا ہے۔ اب پاکستان کے عوام معاشی طور پر آزاد ہیں اور اپنا تمام معاشی نظام بٹ کوائن کے تحت چلائیں گے، پاکستان میں سے پاکستانی روپے کو بطور کرنسی ختم کر دیا گیا ہے اور بٹ کوائن اب پاکستان کی کرنسی ہے“۔ اس طرح کا اعلان کرپٹو کرنسی کے حامیوں کی دیرینہ خواہش تو ہوسکتی ہے مگر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عالمی مالیاتی ماہرین اور ماہرین اقتصادیات بھی بٹ کوائن کو زر، ڈیجیٹل کرنسی، یا ڈیجیٹل اثاثہ نہیں سمجھتے، پھر اس کے باوجود بٹ کوائن کے بارے میں سوچنا بھی کہ اسے پاکستان کی بطور کرنسی اپنایا جائے، عقلی، سائنسی، معاشی، مالیاتی، اور شرعی طور پر قطعاً درست نہیں۔ کرپٹو کرنسی کے حامیوں کی اس دیرینہ خواہش سے پیدا ہونے والے چند نتائج کی سنگینی کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بٹ کوائن کو بطور لیگل ٹینڈر اختیار کرنے کا کوئی ذی شعور سوچ بھی نہیں سکتا مگر بالفرضِ محال کرپٹو کرنسی کے حامیوں کی دیرینہ خواہش کے مطابق بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کو پاکستان میں لیگل ٹینڈر اپنایا جاتا ہے تو اس کے جو نتائج آئیں گے وہ انتہائی بھیانک ہوں گے۔ سب سے پہلے تو یہ

فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس وقت اٹھارہ ہزار سے زائد کرپٹو کرنسیاں موجود ہیں، اُن کو چھوڑ کر بٹ کوائن ہی کو کیوں چنا جائے اور لیگل ٹینڈر بنایا جائے؟ ان اٹھارہ ہزار کرپٹو کرنسیوں نے کیا قصور کیا ہے؟ یعنی وہ کیا سائنسی، تکنیکی و معاشی معیار اختیار کیا جائے گا جس کی بنیاد پر اٹھارہ ہزار کرپٹو کرنسیوں کو چھوڑ کر بٹ کوائن اختیار کریں گے؟ کیا وہ معیار بٹ کوائن کی قیمت ہوگی، ٹرانزیکشن کی رفتار ہوگی یا مائننگ کا طریقہ کار ہوگا؟ غرض، وہ کون سا معیار ہوگا جس پر اٹھارہ ہزار کرپٹو کرنسیوں کو چھوڑ کر بٹ کوائن کا اختیار کیا جائے؟

اگر بٹ کوائن کو پاکستان کا لیگل ٹینڈر بناتے ہیں تو مارکیٹ کیپیٹل کے لحاظ سے دنیا کی دوسری بڑی کرپٹو کرنسی ایتھریم کا کیا قصور ہے؟ پھر ہر نئے آنے والے دن کے ساتھ نئی کرپٹو کرنسیاں بن رہی ہیں، لہذا اگلے مہینے ہوسکتا ہے کہ کوئی بٹ کوائن اور ایتھریم سے بہتر اور مضبوط کرپٹو کرنسی آجائے، جس کا مارکیٹ کیپیٹل بھی زیادہ ہو، لہذا اگر وہ نئی کرپٹو کرنسی آجائے تو کیا نئی قانون سازی کی جائے گی اور پاکستان کے لیگل ٹینڈر کو تبدیل کیا جائے گا؟ اور پھر بٹ کوائن کو چھوڑ کر اُس نئی کرپٹو کرنسی کو اختیار کیا جائے گا؟ نیز بٹ کوائن کو اختیار کرتے وقت جو بنیادی ڈھانچہ بنایا گیا تھا وہ دوبارہ بنایا جائے گا؟ پھر پورے پاکستان کے کاروباری حضرات قیمتوں کا تعین نئے سرے سے کریں گے؟

سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بٹ کوائن یا دیگر عالمی کرپٹو کرنسیوں میں سے ہی کسی کو ہی کیوں اپنایا جائے؟ کیا پاکستان میں کوئی کمپنی یا فرد ایسا نہیں، جس میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ اپنی کرپٹو کرنسی مارکیٹ میں لانچ کرے؟ اگر ایسا ہے تو بٹ کوائن کو کیوں اختیار کریں؟ اس پاکستانی فرد یا پاکستانی کمپنی کی جاری کردہ کرپٹو کرنسی کو بطور لیگل ٹینڈر کیوں نہ اپنایا جائے؟ اور پھر اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ حکومتِ پاکستان کا سینٹرل بینک یعنی اسٹیٹ بینک آف پاکستان پاکستانی روپے سے دستبردار ہوجائے گا اور پھر پاکستان کی معیشت کو کسی پاکستانی فرد یا کمپنی کے جاری کردہ کرنسی سے چلایا جائے گا اور وہ عملی طور پر وہ پاکستانی فرد یا کمپنی پاکستانی معیشت کو چلائے گی؟ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح پاکستانی معاشرہ گروہ در گروہ اور سیاسی طور پر تقسیم ہے اس کی موجودگی میں کس طریقے سے اُس پاکستانی فرد یا کمپنی کی جاری کردہ کرپٹو کرنسی پورے پاکستان میں قابلِ قبول ہوگی؟

غرض پاکستانی معاشرہ مزید تقسیم ہوجائے گا اور پھر ہر صوبے کی اپنی کرپٹو کرنسی ہوگی۔ نیز بات یہاں تک نہ رُکے گی بلکہ ہر شہر کی اپنی کرپٹو کرنسی ہوگی اور پھر شہر تک کیوں رُکیں؟ ہر محلہ اور ہر برادری کی اپنی

کرپٹو کرنسی ہو گی اور پھر ہم وہی صدیوں پرانے نظام یعنی بارٹر ٹریڈ کی طرف چلے جائیں گے جس میں بغیر کسی آلۂ مبادلہ Medium of Exchange یعنی پیسے کے بغیر سامان اور خدمات کا براہ راست تبادلہ ہوتا ہے (حوالہ: بریٹانیکا انسائیکلوپیڈیا)۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ابھی تو پاکستان کی ایک کرنسی ہے مگر جب پرائیوٹ کرنسی کو جاری کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو پھر سیکڑوں کرپٹو کرنسیاں پاکستان میں وجود میں آجائیں گے۔ اسی تناظر میں ہم دارالافتاء ربانیہ کوئٹہ کے فتویٰ سے اقتباس نقل کرتے ہیں اور بعینہ یہی کچھ ادارۃ المعارف کراچی سے چھپنے والی ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب کی کتاب "زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے" میں بھی تحریر ہے۔

"بین الاقوامی طور پر قانون کی رو سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ سکہ بنانے کا حق صرف اور صرف حکومتِ وقت کو حاصل ہے اس کے علاوہ عوام کو سکہ بنانے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ قانونی طور پر یہ ایک بہت بڑا جرم بھی ہے یہاں تک کہ خلاف ورزی کرنے والے کو بڑی تعزیر کا سزاوار ٹھہرایا جائے گا۔

کیا قانون کے علاوہ شرعی طور پر سکہ بنانے کا حق حکومتِ وقت کے علاوہ کسی فرد اور شخص کو حاصل ہے؟ اس بارے میں شریعت کا بھی حکم یہی ہے کہ سکہ بنانے کا حق حکومتِ وقت ہی کو حاصل ہے اس کے علاوہ اگر کسی فرد اور شخص کو سکہ بنانے کا حق دیا جائے تو علمائے کرام کی تصریحات کی مطابق اس سے ملک میں افراتفری اور انتشار پھیلے گا بلکہ یہ حکومت کی رٹ کو چیلنج کرنے کی طرف مُفضی ہو گا۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی لکھتے ہیں: اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ فرمایا: کہ یہ فساد ہے اگرچہ یہ سکہ بنانا حکومت کے سکے کے موافق ہو۔ اور حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حکومت وقت کے علاوہ اگر کسی نے سکہ بنایا تو یہ زمین پر فساد ہو گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح احناف کی بھی رائے ہے لہذا سکہ بنانے کا حق جمہور فقہائے کرام کے نزدیک حکومتِ وقت ہی کو حاصل ہے اس کے علاوہ کسی فرد اور جماعت کو اجازت نہیں۔ اور اگر کوئی ملک اس کو کرنسی بنانے کی کوشش کرے تو اس بارے میں یہ تفصیل ذکر ہوئی کہ جب تک اس کا حقیقی اور خارجی وجود متصور نہ ہو تو اس وقت تک اس کو کرنسی کا درجہ اور حکم حاصل نہ ہو گا۔"

ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ کرپٹو کرنسی کے حامیوں نے یہ بات پھیلائی ہوئی ہے کہ بٹ کوائن میں اور حکومت کی طرف سے جاری کردہ ڈیجیٹل کرنسی میں صرف حکومتی کنٹرول کا فرق ہے حالانکہ ایسا قطعاً درست

نہیں۔ کرپٹوکرنسی اور عام کرنسی میں چھبیس سے زیادہ تکنیکی فرق ہیں جن کو آپ راقم کے ماہنامہ "بیّنات" میں چھپنے والے مضمون " کرپٹوکرنسی اور عام کرنسی میں فرق، ماہنامہ بیّنات، صفر المظفر ۱۴۴۵ھ، ستمبر ۲۰۲۳ " میں دیکھ سکتے ہیں۔حکومتِ وقت کی جانب سے جاری کردہ ڈیجیٹل کرنسی جسے سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی (سی ڈی بی سی) بھی کہا جاتا ہے، اس میں اور بٹ کوائن کرپٹوکرنسی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں پر یہ سوال بنتا ہے کہ اس وقت حکومت کاغذی کرنسی کا ڈیجیٹل طور پر استعمال کررہی ہے مثلاً پیمنٹ سافٹ ویئر کے ذریعے تو پھر سی بی ڈی سی جاری کرنے کی ضرورت اور فوائد کیا ہیں یا پاکستان کے تناظر میں یہ صرف مغرب کی نقالی کے تحت ہوگا؟

قارئین کو حیرانی اس بات پر ہوگی کہ کرپٹوکرنسی کے حامیوں نے بہت ساری پرائیوٹ کرنسی کے اجراء کا حل بھی پہلے سے تجویز کیا ہوا ہے۔ کرپٹوکرنسی کے حامی حضرات اتنی ساری کرپٹوکرنسی کے وجود سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ صرف وہ کرپٹوکرنسی باقی رہے گی جو طاقتور ہوگی یعنی وہی رائج رہے گی اور وقت کے ساتھ ساتھ باقی تمام کرپٹوکرنسیاں فنا ہوجائیں گی۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں رائج انہیں ہزاروں کرپٹوکرنسیوں کو عالمی دنیا کیوں کر تسلیم کرے گی؟ پھر یہ کیسے دعویٰ سائنسی طور پر درست ہوگا کہ کرپٹوکرنسی کے ذریعے کوئی پوری دنیا میں ٹرانزیکشن کرسکتا ہے؟

اگر بٹ کوائن کو بطور لیگل ٹینڈر اپناتے ہیں تو پاکستان کے عوام اپنی ساری معیشت ان لوگوں کے حوالے کردیں گے جن کے متعلق آپ کو علم ہی نہیں! جی ہاں، یعنی ابھی یہ کہا جاتا کہ کہ پاکستان کی معیشت کو عالمی معاشی ادارے جیسے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور امریکہ کنٹرول کرتا ہے اور اس سے بچنے کیلئے بٹ کوائن کو اختیار کیا جائے۔ جبکہ حقیقت میں بٹ کوائن کو بطور لیگل ٹینڈر اختیار کرنے پر صرف چند مائننگ پولز پاکستان کی معیشت کو کنٹرول کریں گے یا پاکستان کی معیشت کو وہ چونسٹھ لوگ کنٹرول کریں گے جنہوں نے بٹ کوائن شروع کے دو سالوں میں مائن کئے اور اس پر قابض تھے؟ جب پاکستانی معیشت دان اور حکومتی اہلکار آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے گفتگو کرتے ہیں تو اُن اہلکاروں کو ہم جانتے ہیں مگر بٹ کوائن کے تناظر میں کن سے گفت وشنید ہوگی، کس سے مذاکرات ہوں گے؟ یعنی جس نظریہ کے تحت بٹ کوائن کو اختیار کیا جانے کا راگ آلاپا گیا کہ اس سے معیشت خودمختار ہوگی، جب اس نظریہ کے عملی اطلاق کی بات آئی تو نتیجہ لاحاصل اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے بھی برے لوگوں کے ہاتھوں میں پاکستان کی معیشت کو حوالے

کر دیا گیا۔ سائنسی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ بٹ کوائن کرپٹو کرنسی میں کرنسی بننے کی صفات ہی نہیں ہیں۔ یورپی یونین کی اقتصادی اور مالیاتی امور کی کمیٹی یہ کہتی ہے کہ ڈیجیٹل کرنسیوں کو بطور آلۂ مبادلہ Medium of Exchange استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ کرپٹو کرنسیوں کو بطور قدر شمار کرنے کے Unit of Account استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کرپٹو کرنسیاں، کرنسی کے بنیادی اوصاف پر پورا نہیں اترتیں۔ نیز بٹ کوائن ڈی سینٹرلائزڈ کرنسی بھی نہیں ہے بلکہ اس پر کچھ لوگوں اور اداروں کی بدترین اجارہ داری ہے۔

عام صارف کے بٹ کوائن کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال کرنے کیلئے بٹ کوائن نیٹ ورک کا حصہ بننا پڑے گا اور کمپیوٹر یا موبائل فون اور انٹرنیٹ کا استعمال لازمی ہے۔ پاکستان میں شرحِ خواندگی اور کتنے لوگوں تک انٹرنیٹ کی رسائی ہے، اس کا تو ہم سب کو ہی علم ہے۔ پاکستان میں ڈیجیٹل انکلوژن Digital Inclusion یعنی آسان الفاظ میں آبادی میں کتنے فیصد لوگوں کی انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز تک رسائی ہے، وہ اس کے فوائد سمجھتے ہیں اور محفوظ طریقے سے وہ اس کا استعمال کر سکتے ہیں، کی صورتِ حال کوئی قابلِ تعریف نہیں ہے۔ خاص طور پر دیہاتی آبادی، غریب طبقہ اور جو بوڑھے لوگ ہیں، اُن کی بٹ کوائن کو استعمال کرنے کیلئے اس کے نیٹ ورک تک رسائی ممکن نہیں۔ پاکستان کو چھوڑیں، جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک کے اندر بھی پوری آبادی ڈیجیٹل طور پر جڑی ہوئی نہیں ہے لہذا بٹ کوائن کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال کرنے سے پاکستان کی آبادی کا بیشتر حصہ بٹ کوائن کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال کرنے سے محروم رہے گا۔

دیکھیئے اصولی بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں کیش اور سکے کسی بھی معیشت کو چلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور اُن کا ڈیجیٹل استعمال بھی ہو رہا ہے (حوالہ: رول آف کیش، یورپین سینٹرل بینک)۔ پاکستانی کرنسی جب کسی صارف کے پاس ہوتی ہے تو اس کو اپنے پاس رکھنے اور کوئی ٹرانزیکشن کرنے کیلئے کسی تھرڈ پارٹی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آسان الفاظ میں ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپے کا پاکستانی نوٹ ہے، یہ نوٹ اس کی جیب میں موجود ہے، محفوظ ہے اور اس کو استعمال کرنے کیلئے اس کو کسی آلہ، انٹرنیٹ یا بجلی کی ضرورت نہیں اور اگر بینکوں کا اے ٹی ایم سسٹم یا آن لائن سسٹم کام کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے تو پورے پاکستان میں عام صارفین اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔

اسی طریقے سے بٹ کوائن کا نظام چلنے کیلئے انٹرنیٹ پر انحصار کرتا ہے اور انٹرنیٹ پر سائبر حملے عام

ہیں۔صرف اعداد وشمار ہی کو دیکھ لیجئے، کتنے ہی سائبر حملے بٹ کوائن کے نظام پر کیئے گئے جن میں "پرائیوٹ کی" کی چوری سے لے کر کرپٹو کرنسی ایکسچینج پر سائبر حملے تک شامل ہیں۔لہذا پوری پاکستانی معیشت کو بٹ کوائن کے ساتھ جوڑنے پر پاکستانی معیشت سیکنڈوں میں ختم کی جاسکتی ہے۔نیز پوری دنیا میں بٹ کوائن کو نوڈز (کمپیوٹر) موجود ہیں جو کہ اس کے کھاتے میں اندراج کی توثیق کرتے ہیں۔سیدھے سادے الفاظ میں پاکستانی معیشت کو بٹ کوائن کے نظام کے ساتھ جوڑنے میں کئی سنجیدہ مفاسد ہیں اور سیکنڈوں میں ملکی معیشت کو کنٹرول کرنے کی ایک عالمی سازش ہے۔نیز بٹ کوائن کے ہارڈ فورک کی صورت میں کیا ہوگا؟

مُرَ وَّجہ معاشی نظام میں ٹرانزیکشن کی رفتار بٹ کوائن کے مقابلے میں بہت تیز ہے۔بٹ کوائن میں ٹرانزیکشن کی توثیق کیلئے تقریباً دس منٹ کا وقت درکار ہوتا ہے لہذا عملی طور پر پوری معیشت کو ایک ایسے نظام کے ساتھ جوڑنا جو کہ سُست رفتار ہے، قطعی طور پر قابلِ عمل نہ ہوگا۔کوئی یہ اشکال کرسکتا ہے کہ ٹرانزیکشن تو فوراً ہوجاتی ہے البتہ ٹرانزیکشن کی توثیق اور بٹ کوائن کے کھاتے میں اندراج کیلئے اتنی دیر لگتی ہے تو عرض یہ ہے کہ اگر کوئی غلط ٹرانزیکشن ہوگئی تو پھر اس کو لوٹایا کیسے جائے گا؟ کیا اس کیلئے نئی ٹرانزیکشن کرنا پڑے گی اور اس کی ٹرانزیکشن فیس کس کے ذمہ ہوگی؟ بٹ کوائن کے مقابلے میں ابھی حال ہی میں نئی کرپٹو کرنسیاں مارکیٹ میں لائی گئی ہیں جن میں ٹرانزیکشن کی رفتار کافی حد تک تیز ہے۔ان نئی کرپٹو کرنسیوں کے مقابلے میں جن کی ٹرانزیکشن کی رفتار بٹ کوائن کے مقابلے میں بہت تیز ہے، بٹ کوائن کا اختیار کرنے کا سوچنا بھی تکنیکی طور پر درست نہیں۔

بٹ کوائن کے تناظر میں پرائیویسی بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔مُرَ وَّجہ معاشی نظام میں اس وقت کوئی بھی غیر متعلقہ شخص ان معلومات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا کہ آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں اور کہاں کہاں آپ ٹرانزیکشن کررہے ہیں۔بٹ کوائن کے تناظر میں پاکستانی عوام کو مکمل طور پر پرائیویسی پر سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔اس کے جواب میں بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ شفافیت زیادہ ہوجائے گی تو اس دلیل پر دنیا مذاق ہی اڑائے گی کیونکہ اس وقت پرائیویسی کو اتنی اہمیت حاصل ہے کے یورپ میں جی ڈی پی آر کے قوانین بن چکے ہیں اور پرائیویسی کی خلاف ورزی پر یورپ میں امریکی کمپنیوں کو کئی مرتبہ بھاری جرمانہ ادا کرنا پڑا ہے۔

بٹ کوائن اپناتے ہیں تو بجلی کا بے تحاشہ خرچ ہوگا اور کیا پاکستان اس کا متحمل ہوسکتا ہے؟ ہماری انڈسٹریاں بند ہو رہی ہیں اور بجلی کی پیداواری لاگت آئے دن بڑھتی جارہی ہے اور ملک میں بجلی کی کمی ہے، وہاں پر بٹ کوائن کو اپنالیا جائے، کیا کوئی ذی شعور یہ سوچ بھی سکتا ہے؟ پھر کیا بٹ کوائن اتنے سرکولیشن میں ہیں کہ کڑوروں کی آبادی والے ایک پورے ملک کی معیشت کو سنبھال سکے؟ بٹ کوائن کی ایک محدود سپلائی ہے اور اس کے بعد نئے بٹ کوائن بننا بند ہوجائیں گے، اس کے بعد کیا ہوگا؟

بٹ کوائن کی قدر میں کمی اور اضافے سے جو میکرو اکانومی پر اثرات پڑیں گے وہ سنگین ہوں گے (حوالہ: کرپٹو ایسیٹ ایز نیشنل کرنسی؟ اے اسٹیپ ٹو فار، جولائی ۲۰۲۱ آئی ایم ایف)۔ عام صارفین و تجارتی اداروں کیلئے اشیاء اور خدمات (سروسز) کی قیمتوں کا بٹ کوائن میں اظہار ایک چیلنج سے کم نہ ہوگا اور اس کے اثرات بھی تباہ کُن ہوں گے۔ بٹ کوائن کی قیمتوں میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ کی وجہ سے قیمتوں میں کوئی توازن قائم نہ رہے گا۔ مونیٹری پالیسی پر حکومتی کنٹرول ختم ہوجائے گا۔ نیز حکومت کا قرضوں کی فراہمی کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ بٹ کوائن سے متعلق عالمی ٹیکس قوانین اور انسداد منی لانڈرنگ اور انسداد دہشت گردی کے قوانین نافذ کرنے والے ملکوں کے قوانین کی وجہ سے بٹ کوائن کا پاکستان میں عملی طور پر استعمال اور پھر عالمی ممالک کے درمیان بٹ کوائن کے ذریعے تجارت اور اس کو بطور کرنسی استعمال کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ نیز مارکیٹ کی سالمیت، صارفین کی شناخت، منی لانڈرنگ، دہشت گردوں کی مالی معاونت اور منظم جرائم کی روک تھام اور ان کا مقابلہ کرنا بھی بٹ کوائن کو پاکستانی میں بطور لیگل ٹینڈر اختیار کرنے کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکے گا۔ عام صارفین اور چھوٹے تاجر بٹ کوائن کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے اپنی دولت منٹوں میں کھو بیٹھیں گے۔

بٹ کوائن میں ٹرانزیکشن کی توثیق کا انحصار دوسرے شرکاء پر ہوتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی کسی تجارتی ٹرانزیکشن (لین دین) کے بارے میں سوچا ہے جس میں آپ کو لازمی دنیا بھر کے ہزاروں لوگوں سے اس کی توثیق کرنی ہوگی؟ کیا یہ حیران کن اور غیر معقول نہیں ہے؟ مگر اس کے باوجود یہ بٹ کوائن کی اصل ماہیت ہے۔ لہذا علمائے کرام کے مطابق بٹ کوائن کے مائننگ کے عمل میں شرعی طور پر دو بنیادی نقائص پائے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ بٹ کوائن میں ٹرانزیکشن کی توثیق کا انحصار دوسرے شرکاء پر ہوتا ہے اور اس کے بغیر ٹرانزیکشن مکمل نہیں سمجھی جاتی۔ آسان الفاظ میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ٹرانزیکشن (بٹ

کوائن) بھیجتا ہے، تو یہ سادہ ٹرانزیکشن اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ بٹ کوائن نیٹ ورک میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت اس ٹرانزیکشن کی توثیق نہیں کر لیتی۔ ٹرانزیکشن کی توثیق کا یہ عمل شرعی طور پر درست نہیں۔ دوم یہ کہ کرپٹوکرنسی مائننگ کے عمل میں کافی غیر یقینی صورتحال ہے، یعنی اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ مائنرز اپنے وسائل کی سرمایہ کاری کر کے مائننگ کے عمل میں کامیاب ہوگا۔ یہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مائننگ کے عمل میں غیر یقینی یعنی "غرر" ہے جو کہ شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور آئینِ پاکستان کے تحت اس میں ایسا کوئی بھی قانون قابلِ تسلیم نہیں ہوگا جو کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو لہذا بٹ کوائن کو بطور پاکستان کی کرنسی اختیار کرنا عملی، عقلی، مالیاتی، سائنسی، قانونی، معاشی، معاشرتی، اور شرعی طور پر قطعاً درست نہیں۔ بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کے حوالے سے بیشتر اہلِ علم اور برصغیر پاک و ہند بشمول دیگر اسلامی ممالک کے جیّد مفتیانِ کرام اور مستند دارالافتاء کا بہت ہی واضح موقف ہے اور جمہور علمائے کرام کرپٹوکرنسی کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ ہم اس مضمون کا اختتام اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کا کرپٹوکرنسی سے متعلق فتویٰ کا متن قارئین کی خدمت میں پیش کر کے کرتے ہیں۔

"کرپٹوکرنسی (بٹ کوئن وغیرہ) کو آپ ڈیجیٹل کرنسی کہیں یا ڈیجیٹل تجارتی چیز، بہر صورت یہ ایک فرضی چیز ہے اور اس کا عنوان ہاتھی کے دانت کی طرح محض دکھانے کی چیز ہے۔ بٹ کوئن یا کوئی بھی کرپٹو کرنسی فقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں از روئے شرع مال نہیں ہے اور نہ ہی یہ ثمن عرفی ہے۔ نیز اس کاروبار میں حقیقت میں کوئی مبیع وغیرہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں بیع کے جواز کی شرعی شرطیں پائی جاتی ہیں؛ بلکہ درحقیقت یہ فاریکس ٹریڈنگ کی طرح سود اور جوے کی شکل ہے، اس لیے کرپٹوکرنسی (بٹ کوئن یا کسی بھی ڈیجیٹل کرنسی) کی خرید وفروخت کی شکل میں نیٹ پر چلنے والا کاروبار شرعاً حلال وجائز نہیں ہے، اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کاروبار میں پیسے انویسٹ کرنا بھی شرعاً جائز نہ ہوگا۔" (حوالہ: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 158329)۔

***

آپ کے مسائل کا حل

از بہشتی زیور

قربانی کس پر واجب ہے

جس پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر کر دے تو ثواب ہے۔

مسئلہ: قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ اولاد کی طرف سے واجب نہیں بلکہ اگر نابالغ اولاد مال دار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے کرنا واجب نہیں ہے نہ اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے کیونکہ اس پر واجب ہی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر باپ اپنے مال میں سے اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے دے تو مستحب ہے۔ بیوی اور بالغ اولاد مال دار ہو تو ان کو اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: بیوی اور بالغ اولاد مال دار ہو اور شوہر بیوی کے لیے اور بالغ اولاد کے لیے اپنے پاس سے قربانی کے جانور لا دے تا کہ وہ قربانی کر سکیں تو جائز ہے۔

مسئلہ: جو بیٹا باپ کے ساتھ باپ کے کاروبار میں لگا ہو اور کاروبار میں اس کا اپنا حصہ اور ملکیت کچھ نہ ہو تو اگر اس کے علاوہ بیٹے کے پاس قربانی کا نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اگر نہیں ہے تو واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عورت کے پاس کچھ مال نہ ہو لیکن اس نے نصاب کے بقدر مہر شوہر سے ابھی لینا ہو تو اگر مہر معجّل ہو اور شوہر مال دار ہو تو عورت پر قربانی واجب ہے اور اگر مہر معجّل ہو لیکن شوہر فقیر ہے یا مہر ہی موجل

ہوخواہ شوہر مال دار ہو یا فقیر ہو تو عورت پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر پہلے اتنا مال دار نہ تھا اس لیے قربانی واجب نہ تھی۔ پھر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی مقیم پر واجب ہوتی ہے مسافر پر نہیں۔

مسئلہ: قربانی کے تینوں دن اقامت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ دسویں گیارہویں تاریخ کو سفر میں تھا۔ پھر بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہو گیا۔

مسئلہ: دسویں کو گھر میں تھا پھر گیارہویں کو سفر میں چلا گیا اور بارہویں کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر آ گیا تو قربانی واجب ہو گی۔

مسئلہ: اگر مال دار قربانی کے دن گزرنے سے پہلے سفر پر چلا گیا اور باقی وقت سفر میں گزرا تو اس سے قربانی ساقط ہے۔

مسئلہ: جو شخص حج پر گیا اور حساب سے شرعی مسافر بنتا ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں مثلاً ایک شخص ۲۵ ذی قعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچا۔ اب چونکہ منیٰ عرفات جانے میں پندرہ دن سے کم ہیں اس لیے یہ شخص مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت بھی کر لے تب بھی مقیم نہیں مسافر ہی رہے گا۔ اس لیے خواہ یہ شخص حج سے پہلے مدینہ منورہ جائے یا نہ جائے بارہ ذی الحجہ تک یہ مسافر رہے گا اور اس پر قربانی واجب نہ ہو گی۔

قربانی کا وقت

مسئلہ: ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے تک قربانی کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کا سب سے بہتر دن دسویں کا ہے پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ: دسویں تاریخ کو شہر والوں کے لیے قربانی کا مستحب وقت عید کی نماز اور خطبہ کے بعد ہے جب کہ گاؤں والوں کے لیے کہ جس میں عید کی نماز نہیں ہوتی سورج طلوع ہونے کے بعد ہے۔

مسئلہ: گاؤں والوں کے لیے دسویں تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد بھی قربانی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: امام عید کی نماز پڑھا چکا لیکن ابھی خطبہ نہیں پڑھا کہ کسی نے قربانی کر دی تو قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: امام کے نماز پڑھانے کے دوران میں قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔

مسئلہ: امام نے نماز پڑھائی پھر لوگوں نے قربانی کی اس کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا اور امام نے بلا وضو عید کی نماز غلطی سے پڑھا دی تھی تو قربانی ہوگئی اعادہ کرنا ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے یا بلا عذر پہلے دن یعنی دسویں کو عید کی نماز نہیں ہوئی تو سورج کے زوال سے پہلے قربانی جائز نہ ہوگی البتہ زوال کے بعد جائز ہوگی اور دوسرے دن جب عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز سے پہلے بھی قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر عید کی نماز ہوئی اور پھر لوگوں نے قربانی کی۔ بعد میں بات ظاہر ہوئی کہ وہ دن دسویں کا نہیں نویں ذی الحجہ کا ہے اور چاند دیکھنے میں غلطی ہوگئی تھی تو اگر باقاعدہ گواہی سے چاند کے ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو نماز اور قربانی دونوں جائز ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: دسویں سے بارہویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں چاہے رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے شاید کوئی رگ نہ کٹے اور اندھیرے میں پتہ نہ چلے اور قربانی درست نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی عید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے اگرچہ وہ خود شہر ہی میں موجود ہو۔ ذبح ہو جانے کے بعد اس کو منگوا لے اور گوشت کھائے۔

قربانی کے جانور

مسئلہ: بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی ان جانوروں کی قربانی درست ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں۔ جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے، بھینس دو برس سے کم کی درست نہیں۔ پورے دو برس کی ہو چکے تب قربانی درست ہے۔ اونٹ پانچ

برس سے کم کا درست نہیں ہے۔

تنبیہ: بکری جب پورے ایک سال کی ہو جاتی ہے اور گائے جب پورے دو سال کی ہو جاتی ہے اور اونٹنی جب پورے پانچ سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے نچلے جبڑے کے دودھ کے دانتوں میں سے سامنے کے دو دانت گر کر دو بڑے دانت نکل آتے ہیں۔ نر اور مادہ دونوں کا یہی ضابطہ ہے۔ تو وہ دو بڑے دانتوں کی موجودگی جانور کے قربانی کے لائق ہونے کی اہم علامت ہے لیکن اصل یہی ہے کہ جانور اتنی عمر کا ہو اس لیے اگر کسی نے خود بکری پالی ہو اور وہ چاند کے اعتبار سے ایک سال کی ہوگئی ہو لیکن اس کے دو دانت ابھی نہ نکلے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔ لیکن محض عام بیچنے والوں کے قول پر کہ یہ جانور پوری عمر کا ہے اعتماد نہیں کر لینا چاہیے اور دانتوں کی مذکورہ علامت کو ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

مسئلہ: دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کے جانوروں میں رکھیں تو سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو سال بھر سے کم لیکن چھ ماہ سے زائد عمر کے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیے۔

مسئلہ: جو جانور اندھا یا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: جس جانور کا ایک کان تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم تہائی سے زیادہ کٹی ہو تو قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا اس کی بھی قربانی درست نہیں اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ: اتنا دبلا بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ ضرر نہیں۔ اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے باقی ہیں ان سے اگر وہ چارہ کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: جس جانور کی پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے یا اوپر سے خول اتر گیا تو اس کی قربانی درست ہے۔ البتہ اگر سینگ جڑ سے یعنی دماغ کی ہڈی کے سرے سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: رسولی والے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ: بکری کا اگر ایک تھن یا اس کا سرا کسی آفت سے جاتا رہا ہو یا پیدائش سے ہی نہ ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ اونٹنی اور گائے کے اگر دو تھن یا ان کے سرے نہ ہوں تو قربانی نہ ہوگی اور اگر صرف ایک نہ ہو تو قربانی ہو جائے گی۔

مسئلہ: بکری کے ایک تھن اور گائے یا اونٹنی کے دو تھنوں سے دودھ اترنا بند ہو گیا ہو یعنی وہ سوکھ گئے ہوں اور باقی سے دودھ آتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: جلالہ یعنی وہ جانور جو نجاست کھاتا ہو اور اس کی وجہ سے اس کا گوشت بدبودار ہو گیا ہو تو اس حالت میں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: بکری کی زبان نہ ہو مثلاً کٹ گئی ہو تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر گائے کی زبان تہائی یا زائد کٹی ہوئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں کیونکہ گائے اپنی زبان سے چارہ لیتی ہے جب کہ بکری اپنے دانتوں سے لیتی ہے۔

❊❊❊

جامعہ دار التقویٰ

کے زیر اہتمام

دار التقویٰ

شمالی علاقہ جات میں

عطیہ قربانی

علماء کی نگرانی میں فریضہ کی ادائیگی

فی حصہ گائے

14000

حصہ جمع کروانے کی آخری تاریخ

آٹھ ذوالحج عصر تک ہے

برائے رابطہ

03214454447

03015286035

مرکزی دفتر: نیو چوبرجی پارک، لاہور

MONTHLY DAR-UL-TAQWA LAHORE CPL NO. 338

دار التقویٰ

جامعہ دار التقویٰ

کے زیر اہتمام

علماء کی نگرانی میں فریضہ کی ادائیگی

اجتماعی قربانی

فی حصہ گائے

24000

حصہ جمع کروانے کی آخری تاریخ
آٹھ ذوالحج عصر تک ہے

برائے رابطہ

0326-4331535

مرکزی دفتر: نیو چوبرجی پارک، لاہور